ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور





دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

جلد ۲۶

شمارہ ۲،۱

شعبان، رمضان
۱۴۴۱ھ

اپریل، مئی
۲۰۲۰ء

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

موبائل فون نمبر
8923235542

زرتعاون

فی شمارہ	۱۵/روپے
سالانہ زرتعاون	۱۵۰روپے
بیرون ملک سالانہ	۲۵ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

پہلی بات

جلد نمبر ۲۵ ر کے آخری شمارہ (مارچ ۲۰۲۰ء/ رجب ۱۴۴۱ھ) کی اشاعت کے بعد پوری دنیا میں کرونا وائرس کی ایسی وبا چلی کہ اپنے ملک میں صورت حال انتہائی ابتر ہوگئی، مدارس ومساجد اور دیگر تعلیمی اداروں پر ایسی بندش لگی کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ کا رسالہ ’’ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور‘‘ چونکہ ادارہ کی سرگرمیوں ہی کا ایک حصہ ہے، اس لئے اس کا نظام بھی بری طرح متأثر ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی اشاعت موقوف کرنی پڑی، ارباب انتظام کا ارادہ تھا کہ مہینہ دومہینہ گذرتے ہی حالات معمول پر آجائیں گے اور ماہنامہ کی اشاعت پھر سے شروع ہوجائے گی، لیکن اس وبائی بیماری نے اس قدر زور پکڑا اور اس سے اس قدر ہراساں کیا گیا کہ اس کی اشاعت موقوف ہی ہوتی چلی گئی۔

مظاہر علوم کے ارباب بست وکشاد نے پرنٹنگ پریس اور دیگر کچھ سہولیات کے میسر آتے ہی اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کی اشاعت شروع کی جائے۔

پیش نظر شمارہ جلد نمبر ۲۶ ر کا پہلا شمارہ (اپریل، مئی ۲۰۲۰ء/ شعبان اور رمضان ۱۴۴۱ھ) کی مشترک اشاعت ہے، تاکہ ماہنامہ کی جو اشاعت پچیس سال سے بلاناغہ تسلسل کے ساتھ جاری تھی وہ باقی رہے اور قارئین کرام کے یہاں ماہنامہ کا مکمل ریکارڈ (ماہ بماہ) محفوظ رہے۔

اداریہ

نوائے سحر

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

کرونا وائرس کا ایسا ہوّا اذہن و دماغ پر سوار کیا گیا ہے کہ اس کی حقیقت تک پہونچنے میں بڑے متضاد نظریات سامنے آرہے ہیں، یہ کرونا وائرس ہے کیا بلا؟ یہ کوئی آسمانی افتاد ہے یا انسانی پیداوار؟ لوگ اس سے کس طرح متأثر ہوتے ہیں؟ اس وائرس اور بیماری کے متأثرین مرتے ہیں یا مار دیئے جاتے ہیں؟ عام انسان ہی اس سے کیوں متأثر ہوتا ہے؟ اہم اور سربرآوردہ سیاسی شخصیات اس سے کیوں متأثر نہیں ہوتیں؟ اگر ہوتی بھی ہیں تو جلد ہی کیسے صحت یاب ہوجاتی ہیں؟ ماضی کی مہلک بیماریاں جیسے خسرہ، طاعون، ایڈز وغیرہ کے متأثرین سے بھی اتنی احتیاط نہیں برتی جاتی تھی جتنی اس وائرس کے متأثرین سے گھِن اور احتیاط کی جاتی ہے، ایک اہم سوال اہلِ بصیرت حضرات کے سامنے یہ کھڑا ہے کہ یہ بیماری آخر اس قدر چالاک کیسے ہوگئی کہ صرف اس کا رخ مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کی طرف ہی کیوں ہوتا ہے، شراب خانوں، بازاروں اور سڑکوں کی بھیڑ بھاڑ میں یہ کیوں نہیں گھُستا؟

یہ وہ حقیقی اور بنیادی سوالات ہیں جس کے جواب میں مختلف اور متضاد بیانات روزانہ میڈیا پر آتے رہتے ہیں اور ع

اک معمہ ہے، سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

جیسی صورت حال ہنوز بنی ہوئی ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں پر اپنا خصوصی فضل فرمائے۔آمین

ملک کی اس ابتر صورت حال کی زد میں سبھی مدارس اسلامیہ آئے اور سرکاری احکامات کی بنیاد پر سبھی دینی وعصری تعلیم گاہیں بند کردی گئیں۔

مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور اس ناگفتنی سے کس کس انداز سے نبرد آزمارہا، اس کی مختصر سی جھلک محبین و متعلقین مظاہرعلوم سہارنپور کی خدمات میں پیش کی جارہی ہیں۔

۲۲؍مارچ ۲۰۲۰ء کو پورے ملک میں ایک دن کے جنتا کرفیو کا سرکاری اعلان تھا، چنانچہ مدرسہ کی انتظامیہ نے سرکاری اعلان کے احترام میں باقاعدہ رجسٹرڈ اطلاعات کے ذریعہ اپنی تمام تر سرگرمیوں کو ایک دن کے لئے موقوف کردینے کا اعلان جاری کردیا، اسی روز شام کو سرکاری طور پر یہ حکم آیا کہ ''کرونا وائرس کے بڑھتے اثرات کی روک تھام کے لئے مزید ۲۱ (اکیس) یوم کا لاک ڈاؤن پورے ملک میں لاگو کیا جارہا ہے۔

لاک ڈاؤن کا یہ اعلان مدارس دینیہ کے لئے ایک اہم مسئلہ تھا اس لئے کہ مدارس میں تعلیمی سال کے اختتام کا دور تھا پورے سال کی تعلیمی محنت کا نتیجہ سامنے آنے کا وقت تھا اور سالانہ امتحانات بس دو چار ہی روز میں شروع ہونے والے تھے، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور کی انتظامیہ نے ۲۲؍مارچ ۲۰۲۰ء/ ۲۷؍رجب ۱۴۴۱ھ کو ہنگامی طور پر اساتذہ و پورے عملہ کی ایک میٹنگ کی اور فوری طور پر حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ سالانہ امتحانات موقوف کردیئے جائیں اور طلبہ کو آہستہ آہستہ ان کے گھروں کو روانہ کردیا جائے، چنانچہ اس مجلس مشاورت کے بعد دفتر اہتمام سے باقاعدہ یہ اعلان جاری ہوا:

> تمام طلبہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ موجودہ حالات میں مدرسہ کی تعلیمی سرگرمی موقوف کردی گئی ہے، اور ملک کے حالات مزید سنگین ہوگئے ہیں، افراتفری، خلفشار اور انتشار میں امتحان سالانہ مشکل ہے، اس لئے سالانہ امتحان موقوف کیا جاتا ہے، آئندہ سال داخلہ کے لئے ششماہی امتحان کے نتائج کو معیار بنایا جائے گا، قرب وجوار کے طلبہ اپنی اپنی سہولت کے حساب سے آہستہ آہستہ گھر جائیں، ہجوم، بھیڑ اور ازدحام نہ کریں، کیوں کہ سرکار کی طرف سے سڑکوں پر چند افراد کا جمع ہونا ممنوع ہے، طلبہ اپنی اپنی کتابیں کتب خانہ میں جمع کرائیں اور مطبخ سے کھانا بند کراکے اپنے گھروں کو روانہ ہوں۔
>
> دور دراز کے طلبہ کے لئے ٹرینیں بند ہیں وہ آرام اور سکون کے ساتھ احاطہ میں

رہیں، باہر سڑکوں پر بلاضرورت آمد ورفت نہ رکھیں، خدانخواستہ پولیس نے سختی کی اور پکڑ دھکڑ کی، اس سے طلبہ کو پریشانی ہوگی۔ فقط والسلام

محمد سلمان ناظم مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور ۲۷؍رجب ۱۴۴۱ھ

پورے ملک میں ایک دم سے عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی، مدارس بند کردیئے گئے، اسکول اور کالج میں تالے لگادیئے گئے، مساجد میں جماعت پر پابندی، بازاروں اور عام شاہراہوں میں سناٹا، ہرطرف اک ہُو کا عالم، یہ وقت تو ایسا تھا کہ مسلمان اللہ کے گھر (مساجد) میں زیادہ سے زیادہ حاضری دیتے، توبہ واستغفار کرتے، لیکن حکومت نے مساجد میں حاضری پر پابندی لگادی، لوگ بڑی بے چینی اور کرب محسوس کرنے لگے اور بار بار امہات مدارس دارالعلوم دیوبند اور مظاہرعلوم سہارنپور کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگے تو ایسے وقت میں مظاہرعلوم سہارنپور کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی کی جانب سے مدرسے کے لیٹر پیڈ پر مندرجہ ذیل اعلان جاری ہوا، اس اعلان سے جہاں ایک طرف حکومت اور ارباب حکومت کی گائڈ لائن اور حکومت کے محکمۂ صحت کے متعین کردہ اصولوں کا احترام ملحوظ ہے، وہیں دوسری طرف تمام مسلمانان ہند کے لئے طریقۂ عمل بھی موجود ہے، یہ اعلان شوشل میڈیا کے ذریعہ آناً فاناً پورے ملک ہی کیا بلکہ پوری دنیا میں اسی وقت وائرل ہوگیا، اعلان یہ تھا:

باشندگان ہند سے ایک ضروری درخواست

ہمارا ملک عزیز ہندوستان اس وقت جن خطرناک اور شدید ترین حالات سے گذر رہا ہے اس کا سبھی کو علم ہے، خاص طور پر ’’کرونا وائرس‘‘ نے جو بھیانک اور عذاب الٰہی کی صورت اختیار کرلی ہے وہ بے حد المناک ہے، بڑی کثرت سے عوام وخواص اس میں گرفتار ہیں اور بہت سے لوگ موت کے منھ میں جاچکے ہیں، ان حالات میں بے حد ضروری ہے کہ اپنی اور اپنے اہل خاندان کی صحت وصفائی کا خیال رکھا جائے اور جو چیزیں اس وبائی مرض کو پھیلا رہی ہیں ان سے لازمی طور پر بچا جائے، کسی خوف وخطرہ کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں بلکہ پوری مومنانہ شان کے ساتھ رہیں۔

اس سلسلہ میں بہت ضروری ہے کہ حکومت ہند کے محکمۂ صحت کی جانب سے وقت وقت پر نافذ ہونے والے احکامات پر پورا پورا عمل کیا جائے، مجمع لگانے اور کسی بھی جگہ بڑی تعداد میں اکٹھا ہونے سے پوری پوری احتیاط کی جائے، اہلِ اسلام کو چونکہ فرض نمازوں کی ادائیگی کے لئے پانچ وقت مساجد میں جمع ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے وہاں بھی یہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے کہ نہ مسجدیں ویران ہوں اور نہ وہاں پر بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوں، اس کے لئے اپنے علاقوں کے دینی مزاج رکھنے والوں سے صلاح ومشورہ کرکے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

ان حالات میں بہتر اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل احتیاطی تدابیر پر عمل کیا جائے:

۱۔ مساجد کی صفائی ستھرائی کا بھرپور خیال رکھا جائے۔
۲۔ بڑی عمر کے حضرات مساجد میں جانے کے بجائے اپنی نماز گھروں پر ادا کریں۔
۳۔ ائمہ حضرات اپنی اپنی مساجد میں اعلان کریں کہ نماز کے لئے آنے والے حضرات اپنے گھروں ہی سے تیار ہوکر آئیں۔
۴۔ نماز کی سنتوں کو گھر میں ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔
۵۔ ائمہ حضرات نماز مختصر پڑھائیں اور نمازیوں کو تاکید کریں کہ نماز سے فارغ ہوکر اپنے گھروں کو روانہ ہوجائیں۔
۶۔ مسلمانوں کا اصل سرمایہ حوادث اور آفات کے مواقع پر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کا ہے اس لئے اس کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور حدیث شریف کے مطابق اللہ کے راستہ میں صدقہ کرنے سے بلائیں اور مصیبتیں ٹلتی ہیں، اس لئے غرباء کو کثرت سے صدقات کئے جائیں۔

مدرسہ میں ایک عجیب صورت حال پیدا ہوگئی، آس پاس کے طلبہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہونے لگے اور تقریباً ایک ہفتے میں علاقائی اور مقامی طلبہ اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

جو طلبہ دور دراز علاقوں (بہار، بنگال، اڑیسہ، آسام، اے پی، ایم پی، راجستھان،

کرناٹک، مہاراشٹر وغیرہ) کے تھے ان کو بحفاظت ان کے گھروں تک پہونچنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا، مظاہر علوم کے لئے ایک اور بڑا مسئلہ یہ بھی ہوا کہ قرب وجوار کے مدارس نے اپنے یہاں چھٹی کا اعلان کردیا وہاں کے طلبہ بھی مظاہر علوم ہی میں آگئے اور سرکاری طور پر آمد ورفت پر مکمل پابندی لگادی گئی، ان طلبہ کی رہائش اور ان کے کھانے وغیرہ کا پورا پورا انتظام بھی مدرسہ ہی کو کرنا پڑا اور یہ سلسلہ مسلسل دو ماہ تک رہا۔

اس دو ماہ کے عرصہ میں مدرسہ جن حالات سے گذرا، ارباب انتظام کے لئے بڑا سخت امتحان تھا، روزانہ سرکاری آفیسران کی آمد، ان کے مطلوبہ بے جا سوالات کے جوابات، ان کے مطلوبہ کاغذات کی فراہمی، اور پھر اس پر احاطہ میں مقیم سینکڑوں طلبہ کی فہمائش، ان کو مطمئن رکھنا، ان کے لئے مسلسل رہنما ہدایات جاری کرنا، یہ وہ مسائل تھے جن سے مدرسہ کے ذمہ داران مسلسل پریشان رہے، راتوں کی نیند اور دن کا سکون سب کچھ غارت ہوگیا تھا، خیر اللہ اللہ کرکے آہستہ آہستہ راہیں ہموار ہونے لگیں اور طلبہ پورے تحفظ کے ساتھ اپنے گھروں کو روانہ ہونے لگے، ان سب مسائل مسائل کے درمیان ایک سب سے بڑا مسئلہ مدرسہ کے سامنے مالیاتی نظام کے استحکام کا تھا، مدرسہ میں فراہمیٔ مالیات کا اہم ذریعہ سفراء کرام کے اسفار ہوا کرتے ہیں، اس پر مکمل طور پر بندش تھی، ذمہ داران نے بعض اہل خیر حضرات سے اس سلسلہ میں رابطے رکھے اور تھوڑی بہت کشائش کی صورت نکلی، لیکن اب بھی یہ مستقل مسئلہ بنا ہوا ہے۔

اللہ تعالی اپنا خصوصی فضل فرمائے اور مزید کشائش کی راہیں ہموار فرمائے۔

درسِ قرآن

اعمال بد کا نتیجہ

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

خشکی وتری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے سبب مصیبتیں آرہی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی بعض کرتوتوں کا مزا چکھادے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔(الروم ۴۱)

تشریح وتوضیح: غذا میں بے احتیاطی کرنے سے جس طرح آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور بعض دفعہ مر بھی جاتا ہے، دودھ پلانے والی ماں اگر ثقیل وقابض غذا کھالے تو بچہ کو قبض ہوجاتا ہے، ٹھنڈی غذا کھالے تو بچہ کو نزلہ، زکام، کھانسی ہوجاتی ہے یوں والدہ کی بد پرہیزی، بچہ کو مبتلائے مصیبت کردیتی ہے، بعینہ اسی طرح کفروشرک، گناہوں کا ارتکاب، اور روحانی بد پرہیزی ایسے منحوس اعمال ہیں کہ یہ خود کو اور دوسروں کو بھی مبتلائے مصیبت کردیتے ہیں (اَلْمَعْصِيَةُ تَتَفَرَّقُ شَآمَتُهَا إِلَى الْأَقَارِبِ وَالْأَجَانِبِ (روح البیان ۷/۴۵) تو جس طرح غذا ودوا میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ حکمت کے تحت مضر اثرات بھی ودیعت ہیں، اسی طرح گناہ کے عواقب ونتائج بھی مضر اثرات کی شکل میں برآمد ہوتے ہیں۔

گناہوں کے نقصانات:

(۱) گناہوں کی نحوست سے آدمی علم دین سے محروم ہوجاتا ہے (۲) گناہوں کی نحوست سے خدا سے ایک قسم کی وحشت ہوجاتی ہے۔(۳) دل میں ایک ظلمت پیدا ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے بدعت، ضلالت جہالت میں آدمی مبتلا ہوجاتا ہے۔(۴) طاعت اور نیک اعمال کی توفیق سلب ہوجاتی ہے۔(۵) جب گناہوں کی عادت پڑجاتی ہے تو توبہ کا

ارادہ کمزور پڑ جاتا ہے اور آدمی پھر توبہ کئے بغیر ہی مرجاتا ہے۔

(۶) گناہ کی برائی دل سے نکل جاتی ہے۔(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت میں داخل ہوجاتا ہے۔(۸) مرتے وقت کلمہ پڑھنے کی توفیق بھی نہیں ملتی

(۹) دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے اور وہ گناہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے۔

(۱۰) دنیا کی رغبت اور آخرت سے وحشت پیدا ہوجاتی ہے۔(۱۱) دل کی مضبوطی اور تصلب فی الدین ختم ہوجاتا ہے۔(۱۲) نیکی وبدی کی تمیز سے محروم ہوجاتا ہے۔

(۱۳) اولیاء اللہ سے دور اور شیطانی گروہ سے قریب ہوجاتا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ گناہ کرنے سے صرف آخرت بگڑتی ہے اور وہاں کی صعوبتوں، عقوبتوں میں آدمی گرفتار ہوتا ہے جب کہ صورت حال یہ ہے کہ آخرت تو بگڑتی ہی ہے مگر گناہ کی نحوست سے آدمی کی دنیا بھی بگڑتی ہے اور دنیا میں بھی مختلف دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

گناہ کے دنیوی نقصانات:

۱– زندگی کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔ ۲– دل کا چین وسکون ختم ہوجاتا ہے۔

۳– دشمن کا رعب دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ ۴– شیاطین اس پر مسلط ہوجاتے ہیں۔

۵– گناہ گار پر جانور بھی لعنت کرتے ہیں۔۶ – گناہ کی وجہ سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔

۷– دل اور جسم دونوں کمزور ہوتے ہیں۔۸– گناہ گار کو اکثر کاموں میں دشواری پیش آتی ہے۔

۹– رزق میں کمی آجاتی ہے بلکہ رزق سے محروم بھی ہوجاتا ہے (ان الرجل لیحرم الرزق بذنب اصابه)۔۱۰–عزت وشرافت کے الفاظ چھن جاتے ہیں اور برے القاب فاجرو فاسق، زانی وبدکار وغیرہ وغیرہ القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۱– زمین شق ہوجاتی ہے۔ ۱۲– پہاڑوں کی چٹانیں کھسک جاتی ہیں۔

۱۳– آبادیاں دھنس جاتی ہیں۔۱۴– زلزلے آبادیوں کو زیروزبر کردیتے ہیں،

نافرمانوں کوصفحۂ ہستی سے مٹادیا جاتا ہے۔

۱۵– بیماریوں کی کثرت، ہیضہ کا زور۔ ۱۶– خاردار درختوں اورموذی جانوروں کا بکثرت پیدا ہوکرانسانوں کوتکلیف دینا۔

خاص خاص گناہوں پرخاص خاص عذاب:

جس طرح بعض نعمتوں کے کھانے سے خاص خاص فوائد اور وٹامنز حاصل ہوتے ہیں اوربعض مضر چیزوں کے استعمال سے خاص خاص بیماریاں جنم لیتی ہیں اسی طرح روحانی بیماریوں اورگناہوں کے ارتکاب پرخاص خاص عذاب بھی نازل ہوتے ہیں۔

۱– ناپ تول میں کمی کرنے سے ظالم وجابرحکمراں مسلط کردئے جاتے ہیں۔

۲– زکوٰۃ نہ دینے سے بارش روک لی جاتی ہے۔(منع الزکوۃ سبب لانقطاع المطر)

۳– وعدہ خلافی کرنے سے دشمن مسلط ہوجاتا ہے (نقض العہد سبب لتسلط العدو)

۴– دوسروں کا ناجائزمال لینے سے قتل وقتال اور باہمی خونریزی واقع ہوتی ہے۔

۵– سود کے لین دین سے زلزلے آتے ہیں اورزمین دھنس جاتی ہے (أکل الربوا سبب للزلزلۃ والخسف۔

۶– جب زناکاری عام ہوجائے تو طاعون پھیل جاتا ہے۔(ألفاحشۃ سبب لفشو الطاعون (روح البیان ۷/ ۴۷))

طاعون ایک وبائی بیماری تھی، بدن کے مختلف حصوں پر پھوڑے پھنسی نکلتے، جن میں شدید جلن ہوتی اور بالآخر آدمی کی موت واقع ہوجاتی (وَالطَّاعُونَ قُرُوحٌ تَخْرُجُ مَعَ لَهِيبٍ فِي الْآبَاطِ، وَالْأَصَابِعِ وَسَائِرِ الْبَدَنِ،اور بقول علامہ طیبیؒ: عام بیماری کا نام طاعون ہے(قَالَ الطِّيبِيُّ:أَلطَّاعُونُ هُوَ الْمَرَضُ الْعَامُّ) ایک رائے یہ ہے کہ عمومی بیماری اوربکثرت اموات کے واقع ہونے کا نام طاعون ہے (وَقِيلَ:الطَّاعُونُ هُوَ الْمَوْتُ

بِالْوَبَاءِ وَالْوَبَاءُ: اَلْمَوْتُ الْعَامُّ وَالْمَرَضُ الْعَامُ. (مرقات المفاتیح)

پیغام: اللہ رب العزت بندوں کے اکثر گناہوں کو تو معاف کرتے رہتے ہیں البتہ بعض گناہوں پر دنیا میں گرفت بھی فرمالیتے ہیں، اعمال کی یہ شامت اور نحوست، طرح طرح کی آفات کی صورت میں نازل ہوتی ہے اور ہورہی ہے جیسے فی الحال ایک وبائی بیماری ''کرونا وائرس'' نے چین سے شروع ہوکر دنیا کے 37 سے زائد ملکوں کے چین وسکون کو چھین لیا ہے، لگتا ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ اس سے محفوظ نہیں، لاکھوں افراد اس سے متأثر، اور جو اس سے محفوظ ہیں وہ طرح طرح کے خدشات، انجانے خوف اور نامعلوم دہشت میں مبتلا ہیں، ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں، اس مہاماری کی وجہ سے معیشت الگ تباہ ہورہی ہے، لوگوں کے منہ کے نوالے تک چھن گئے، دانے دانے، ایک ایک گھونٹ پانی کو ترس گئے، پیدل چلتے چلتے، پاؤں میں آبلے وچھالے پڑ گئے، یونورسٹیاں، کالج، اسکول، مدارس، مکاتب، چھوٹے بڑے تعلیمی ادارے بند، اس جانی، مالی، تعلیمی نقصان کے ساتھ روحانی خسارہ بھی کہ مسجد کی نماز باجماعت، وجمعہ کی برکات سے بھی محرومی، جن خانقاہوں سے مردہ دلوں کو زندگی، تاریک قلوب کو تابندگی نصیب ہوتی تھی ان پر بین اور پابندی، جن پاکیزہ نفوس کی صحبت سے صالحیت اور ذکر رب سے انسیت اور معاصی سے نفرت پیدا ہوتی تھی ان کے دروازوں پر بھی پہرے۔

سمجھ میں نہیں آتا یہ رونا ہے کہ ''کرونا'' ہے، کیونکہ اس بیماری کے اصل سبب (زنا کاری ودواعیٔ زنا، حرام خوری) کا سد باب کرنے اور مرکزِ اصلی کو تلاش کرنے کے بجائے، اس بیماری کا ٹھیکرا فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کے ایک مخصوص دین دار طبقہ کے سر پھوڑ کر، مِلّی عزت بھی خاک میں ملادی اور پُشپیندر جیسے معترضین اسلام برسرعام کہہ رہے ہیں کہ نہ مسلمانوں کی نمازوں میں نورانیت ہے اور نہ ان کے سجدوں میں تاثیر۔

دینی، دنیوی، جانی مالی، قومی، ملی کونسا نقصان ہے، امت فی الحال جس سے جوجھ نہیں رہی ہے، اور یہ سب ہماری اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، مگر افسوس کہ پُشپیندر جیسے

لوگوں کو یہ سمجھ میں آرہا ہے مگر خیر الامت کے قلوب اس قدر زنگ آلود ہیں کہ یہ احوال بھی ان کے دلوں کو اپیل نہیں کررہے ہیں، فیاللعجب۔

بداعمالیوں کی سزا اور مصیبت کا نزول اس حکمت کے تحت بھی ہوتا ہے کہ بندے اپنی بداعمالی پر متنبہ ہوکر گناہوں سے توبہ اورخدا کی طرف رجوع کریں (نُقْصَانُ البَرَکۃِ بِاَعمالِ الْعِبادِ کَیْ یَتُوْبُوا۔القرطبی ۱۴/ ۲۸)۔

تا پشیماں می شوی از کارِ بد تا حیاداری، زاللہ الصمد

اعمال بد کا تازیانۂ مصائب بننا توصرف فاجر و فاسق، مجرم اور خطاواروں کے ساتھ خاص ہے، رہے معصوم اور نیک لوگ، تو ان پر جو مصائب آتے ہیں وہ صرف ان کی آزمائش اور ان کے جوہر نورانی کو چمکانے اور ترقی درجات کے لیے ہوتے ہیں (الأیة مخصوصة بالمجرمین فان ما أصاب غیرھم من الانبیاء و کمل الأولیاء و لاطفال والمجانین فلا سباب أخر ،لا بما کسبت أیدیھم لانھم معصومون محفوظون۔روح البیان ۸/ ۳۲۳)۔

مسلمانوں کو جب گناہوں سے باز رکھنے اور سابقہ گناہوں سے توبہ، تلہ کرنے کے لئے کہا جاتا اور ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ آپ کے گناہوں کی نحوست اور شامت اعمال سے تباہی و بربادی عام ہوتی جارہی ہے تو مسلمان یہ سمجھتے ہیں اور بعض تو زبان سے کہہ بھی دیتے ہیں: کہ ہم سے زیادہ گنہگار تو کفار و مشرکین ہیں، یہ ان ہی کے گناہوں کی نحوست ہے۔ مگر یادرکھئے کہ کفار و مشرکین کے گناہوں کی سزا کا تعلق دنیا سے نہیں ہے اگرچہ گاہ بگاہ ان کو یہاں بھی سزادیدیجاتی ہے، ان کی سزا کا اصل وقت آخرت ہے (وَأَماالْکافِرُ فَإِنّہٗ لَایُعَجّلُ لَہٗ عُقُوبَۃُ ذَنْبِہٖ حَتیٰ یُوَافِی یَومَ القِیامَۃِ، فتح القدیر)

البتہ دنیا میں مسلمانوں کے بعض گناہوں کی سزا، مصائب وآلام کی شکل میں دے کر، ان مصائب وآلام کو کفارہ بنادیا جاتا ہے (وَصِنْفٌ کَفّرَہٗ عَنْھَم بِالْمَصائِبِ فِی الدُّنیا ،مفاتیح الغیب)اس لئے ایک سعادت مند مسلمان ہونے کے ناطے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ان مصائب کو

اپنے گناہوں کی شامت سمجھ کر گناہوں سے توبہ کریں، مسلمانوں نے اگر توبہ کرلی تو دنیوی مصائب انشااللہ ختم ہوجائیں گے، صرف مسلمانوں کے توبہ کرنے سے امراض وآفات، آلام ومصائب دور ہوجائیں گے، کیونکہ مسلمان اس کائنات کا دولہا ہے، باقی سب باراتی، سسرال والوں کے نزدیک دولہا محترم ہوتا ہے، اس کے توسط سے باراتیوں کی بھی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے، خواہ بارات میں ایسا شخص بھی موجود ہو، جس سے سسرال والوں کی اپنی ناراضگی ہے۔ وہ اپنی ناراضگی کو بالائے طاق رکھ کر، دولہا کے احترام میں اس کی بھی تواضع کرتے ہیں، لیکن اگر دولہا ہی ناشائستہ حرکت کر بیٹھے اور سسرال والوں کو ناراض کردے تو دولہا تو کیا، باراتیوں کو بھی کھانا نہیں دیا جاتا، کھانا تو درکنار، الٹا باراتیوں کو زدوکوب کیا جاتا ہے، اور بندی بنالیا جاتا ہے۔

عدل وانصاف کے تقاضوں سے قطعِ نظر، ایک واقعہ بطورنظیر حیطۂ تحریر میں لایا جاتا ہے، لکھ دینے سے شاید بات سمجھ میں آجائے۔

شہر سہارنپور (یوپی) سے متصل ایک قصبہ ہے (بہ مصلحت نام کا تعمیہ کیا گیا ہے) عرصۂ پینتیس سال قبل، صوبہ اتراکھنڈ کے ایک گاؤں سے یہاں بارات آئی، دولہا نے ایک ناجائز فرمائش کردی، دولہا کے اس ناجائز مطالبہ کی وجہ سے سسرال والے ناراض ہوگئے، جس کی وجہ سے دولہا کا احترام بھی ختم اور باراتیوں کا بھی، اوراہل بستی نے مشورہ کرکے باراتیوں کو بھی کھانا دینے سے انکار کردیا۔ بہت سے بزرگ، عمر دراز باراتیوں نے دولہا کی اس حرکت پر معافی بھی مانگی، مگر بستی والوں نے دولہا اور باراتیوں کو اس وقت تک قیدی بنائے رکھا جب تک کہ خود دولہا نے معافی نہیں مانگی، دولہا کے معافی مانگنے کے بعد ہی دولہا اور باراتیوں کو قیدوبند، مار پٹائی اور بے عزتی سے رہائی ملی۔

خدارا اپنے گناہوں سے توبہ کیجئے تاکہ روتے بلکتے شیرخوار بچوں کو دودھ، بھوکوں کو کھانا، کورونا کے نام پر، قیدوبند میں محبوس لوگوں کو رہائی نصیب ہو۔

انوار حدیث

رحمت الٰہی کی وسعت

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ
سابق صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

حکایت (۱): حضرت عامر الرام جن کا لقب خضر بھی ہے رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ اپنی بستیوں میں تھے کہ ہمارے سامنے ایک لشکر آ گیا جس میں جھنڈے لہرا رہے تھے میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو بتانے والوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے ہیں یہ سن کر میں وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمبل پر تشریف فرما ہیں اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس بیٹھے ہیں میں بھی ان میں ملکر بیٹھ گیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیماریوں کے متعلق وعظ فرما رہے تھے اس وعظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ ایمان والے بندہ کو جب بیماری لگتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو عافیت دے دیتے ہیں تو بیماری سے اس کے گذشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور آئندہ کے لیے اسکو عبرت حاصل ہوتی ہے اور جب کوئی منافق بیمار ہوتا ہے پھر عافیت پاتا ہے تو اس کو کوئی عبرت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی مثال اس اونٹ جیسی ہوتی ہے جس کا گھٹنہ اس کے مالک نے رسی سے باندھ دیا ہو پھر بعد میں کھول دیا ہو وہ اونٹ نہیں جانتا کہ اسکو کیوں باندھا گیا اور کیوں چھوڑ دیا گیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ بیماری کیسی ہوتی ہے؟ میں تو آج تک بیمار نہیں پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہمارے مجمع سے اٹھ جاؤ تم ہماری جماعت میں سے نہیں ہو شاید اس آدمی کے دل میں گناہوں کا خوف اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا شوق نہیں تھا اس لیے بیماری کی بات سن کر اس شخص نے اعتراض اور

تکبر سے یہ کہا ہوگا اس لیے آنحضرت نے اس شخص کو اپنے مجمع میں سے خارج کر دیا ہوگا۔

فائدہ :اس سے معلوم ہوا کہ مرد مومن کے لیے بیمار ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور بندہ حالت بیماری میں اپنی صحت وتندرستی کی نعمت یاد کر کے اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے پھر جب صحت مل جاتی ہے تو اپنی بیماری کو یاد کر کے عبرت پکڑتا ہے اور تضییع اوقات سے اپنے کو بچا کر طاعات میں اور کوشش کرتا ہے لیکن منافق کا معاملہ اس کے برعکس ہے بیماری میں بھی یاد الٰہی سے غفلت برتتا ہے اس کو نہیں پتہ چلتا کہ گناہوں کے دور کرنے کو مجھے بیمار بنایا گیا ہے پھر جب اچھا ہو جاتا ہے تو بھی عبرت اور موعظت پذیری سے غافل کا غافل ہی رہ جاتا ہے۔

حکایت(۲): حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے آپ کا گذر ایک قوم پر ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ ان لوگوں نے کہا ہم مسلمان قوم ہیں وہاں ایک عورت اپنا چولہا جلا رہی تھی عورت کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی تھا جب چولہا بھڑکتا اور آگ اوپر اٹھتی تو ماں بچہ کو لے کر کھسک جاتی (پھر آگ معمول پر آتی تو پکانے لگتی) وہ عورت بچہ لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا اللہ تعالیٰ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے نہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا بیشک (وہ ارحم الراحمین ہیں)۔

عورت نے کہا ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینک سکتی یہ سن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا دیا اور رو پڑے پھر سر اٹھا کر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب نہیں دے گا، مگر اس کو جو ضدی، سرکش ہو اللہ تعالیٰ سے بھی سرکشی کرے اور یہ کہنے سے انکار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، بس اسی بندے کو عذاب دے گا جو لا الہ الا اللہ نہ کہے اور خدائے واحد کی الوہیت اور معبودیت کا انکار کرے۔(سنن ابن ماجہ)

زندہ لاش کی طرح

جینے کی روش آخر کب تک؟

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی

کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں، ان کی الگ الگ خصوصیات ہیں، نباتات، جمادات اور حیوانات ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان کے متنوع فوائد کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے، ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کر دیا ہے :**هو الذی سخر لكم ما في الارض جميعا** (وہی اللہ ہے، جس نے تمہارے لیے روئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کیا ہے)، جو لوگ نظام کائنات میں غور وخوض کرتے ہیں اور جنھیں اللہ رب العزت نے بصیرت سے نوازا ہے وہ اس حقیقت کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں، البتہ انہی اہل بصیرت کے درمیان کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف کھانے، پینے، سونے اور جاگنے میں مشغول رہتے ہیں، ان کے اور دیگر حیوانات کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ یہ اپنی زبان سے بولتے ہیں اور ستر کو چھپا لیتے ہیں، اس سے زیادہ ان میں کچھ بھی شعور نہیں ہے کہ انسانی صورت دے کر انہیں اس دنیا میں کیوں پیدا کیا گیا؟ پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں وہ ذرہ برابر بھی نہیں سوچتے ہیں، بس اس دنیا میں ایک مخلوق کی حیثیت سے جینا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی زیبائش وآرائش کی چیزیں پیدا کی ہیں، انہیں اپنی ملکیت سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھانا ہے، یہی ان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

اس قسم میں اگرچہ بعض تعلیم یافتہ اور جدید علوم کے ماہر بھی ہوتے ہیں، جو کائنات کے بارے میں بہت کم سوچتے ہیں اور نہ وہ اس طرف توجہ دیتے ہیں کہ اس کائنات کے خالق کا ان پر کیا حق ہے؟ اس کی معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ اس کے لامحدود اور لامتناہی صفات کیا کیا ہیں؟

جن کے کسی ایک حصہ، بلکہ ایک ذرہ کے ادراک سے بھی پوری دنیا کی عقل عاجز ہے، ایسے افراد پُرلطف اور حسین خوابوں کی دنیا میں سیر کرتے ہیں اور ہوائی محل تعمیر کرتے ہیں، عیش وآرام خوش حالی وفارغ البالی کی زندگی گزارتے ہیں، پھر اچانک موت کا فرشتہ آ کر ان کی روح قبض کر لیتا ہے اور وہ کف افسوس ملتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دنیا کو الوداع کہتے ہیں۔

اولوالالباب کون؟

افسوس صد افسوس! اس بے چارے اور مسکین کی اللہ کی میزان میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کے برخلاف وہ لوگ جن کو وہ حقیر سمجھتے تھے اور لیکن وہ اللہ کی نشانیوں میں غور وخوض کرنے والے تھے، تو اللہ نے ان کو ''اولوالالباب'' کے خطاب سے نوازا ہے، قرآن مقدس میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کی قدر ومنزلت کو بیان کیا ہے، ارشاد باری ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بے شک آسمان وزمین کی پیدائش اور دن ورات کی گردش میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو لوگ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ان چیزوں کو یونہی نہیں پیدا کیا ہے، تیری ذات پاک ہے، تو ہمیں جہنم کی آگ سے بچالے)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر نماز پڑھنے لگے، اتنے میں فرض نماز کا وقت آ گیا، حضرت بلال حبشیؓ آپ کو نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے آئے، انہوں نے دیکھا کہ حضور رو رہے ہیں، تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیے ہیں، پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا، اے بلال! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جب کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ... پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ''تباہی ہے اس شخص کے لیے جو اس آیت کی تلاوت کرے، لیکن کائنات کے بارے میں غور نہ کرے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی تعریف کی ہے اور ان کی خوبیوں اور صفات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ کائنات کی نشانیوں میں تدبر و تفکر کرتے رہتے ہیں، اس کائنات کے خلاق کی معرفت کا راستہ تلاش کرتے رہتے ہیں اور پھر اس عظیم، ابدی اور سرمدی طاقت کے سامنے، جس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا ہے اور جس نے انسان اور ہر جان دار کو شرف وجود بخشا ہے، سب اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اسی کی قدرت کے گن گاتے ہیں اور نظام الٰہی کے ہر ہر گوشہ، آسمان و زمین کی پیدائش، لیل و نہار کی گردش کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور اللہ نے اس نظام کو چلانے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اور نوع بنوع کی جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یقیناً یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیوی زندگی کی سعادت اور اخروی زندگی کی فلاح و کامرانی اور موت کے بعد روز محشر میں کامیابی کا تمغہ لے کر جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

غافل انسان جانوروں سے بدتر کیوں؟

ان تمام آسمانی حقیقتوں، واضح ثبوتوں اور ٹھوس ایمانی عقیدوں کے باوجود شروع ہی سے انسانوں کا ایک گروہ اس حقیقت سے صرف نظر کرتا رہا ہے، وہ اس کی گہرائی میں نہیں جانا چاہتا ہے اور نہ ہی اس کی روشنی میں اپنی زندگی کو خوش گوار بنانا چاہتا ہے، بلکہ وہ تو کائنات کے سلسلہ میں تدبر کے برخلاف یہ دعوی کرتا ہے کہ اس میں اپنی عقل اور فکر کو استعمال کرنے سے زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور دنیا کا جو فطری نظام ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، قرآن کریم نے اس جماعت کی تصویر کشی اس انداز میں کی ہے: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (ان

کے اندر ایسے دل ہیں، جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے ہیں ان کے پاس ایسی آنکھیں ہیں، جس سے وہ دیکھتے نہیں ہیں، ان کے پاس ایسے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ہیں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، یہی لوگ دراصل غافل ہیں۔)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جانوروں سے تشبیہ ہی نہیں دی ہے، بلکہ جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے اور جانوروں سے بدترین درجہ غفلت کا ہے، گویا کہ ﴿اولئک هم الغفلون، بل هم اضل﴾ کا جواب ہے کہ یہ جانوروں سے بھی بدتر کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ اس لیے کہ یہ لوگ غفلت کے شکار ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''چوں کہ وہ سیدھے راستہ پر نہیں چلتے ہیں، اس لیے وہ جانوروں سے مشابہ قرار دیے گئے اور چوپایوں سے بھی بدتر اس لیے قرار دیے گئے کہ چوپائے تو کم سے کم اپنے نفع ونقصان کی چیزوں میں فرق کر لیتے ہیں اور اپنے آقا کی پیروی کرتے ہیں، جب کہ اس طرح کے لوگ اس صفت سے عاری ہیں۔

اور مشہور تابعی عطاءؒ فرماتے ہیں کہ جانور اور چوپائے اللہ کی معرفت رکھتے ہیں، جب کہ کافر اس کی معرفت نہیں رکھتا ہے، اس لیے اس کا درجہ جانوروں سے بھی کم کر دیا گیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جانور اللہ کے فرماں بردار ہوتے ہیں، جب کہ کافر نافرمان ہوتا ہے۔

موجودہ انسانی معاشرہ میں انسان

انسانی معاشرہ پر عمومی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے ہمارے معاشرہ میں ایسے ہی لوگوں کی اکثریت ہے، اقتدار کے مالک بھی یہی لوگ ہوتے ہیں اور عام طور پر یہی دوسروں کے معاملات بھی طے کرتے ہیں اور ان کی تقدیر کا فیصلہ کرتے ہیں، ہمارے سامنے اس وقت اس کی سب سے واضح مثال بزعمِ خود سپر پاور کی ہے، جو حقیقی اور ضروری مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے غیر ضروری امور پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿انی جاعل في الارض خليفة کے

ذریعہ انسانوں کو خلافت ارضی کا منصب عطا کیا ہے اور عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے۔

سب سے بڑا المیہ

اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے کاموں میں جو اخلاص اور خدا کی مرضی ہونی چاہیے تھی اور جو مضبوط ایمان ہونا چاہیے تھا، اس کا فقدان ہو چکا ہے، اس کی روح مردہ ہو چکی ہے، لوگ پُر شکوہ مادیت اور چمکتی دنیا پر فریفتہ ہیں اور انہیں عادت وعبادت کے درمیان ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا ہے، وہ دینی کام اور اپنے ''روٹین ورک'' (Routine Work) کے درمیان کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں، مثال کے طور پر ایک شخص پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، لیکن وہ نماز میں یہ تصور نہیں کرتا ہے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ اس بندگی کے ذریعہ اپنی اطاعت وفرماں برادری کا اظہار کر رہا ہے، جس کے بدلہ اسے نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا، وہ محض ایک عادت کی بنا پر نماز پڑھ لیتا ہے اور یہ صورت حال صرف نماز کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ تمام عبادتوں، چاہے فرض وواجب ہوں یا نفل اور سنت وغیرہ کسی کی ادائیگی میں بھی اس کی اصل روح باقی نہیں رہتی ہے اور نہ اس کا یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

کیا ہماری سوسائٹی، ہماری مجلسوں، محفلوں اور گھروں میں یہ سوال نہیں اٹھنا چاہیے کہ ان عبادتوں کی روح کہاں چلی گئی کہ انسانی وجود بے جان کی طرح رہ گیا ہے؟ یہ سوال اس لائق ہے کہ ہمارے معاشرہ میں اس کو اٹھایا جائے، ہم ایک بے جان، روح سے خالی اور زندہ لاش کی طرح جینے لگے ہیں، کیا ہم پر یہ آیت منطبق نہیں ہوتی ہے کہ **ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس** (ہم نے جہنم کے لیے زیادہ جنوں اور انسانوں کو چھوڑ رکھا ہے) کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی وعید ہو سکتی ہے؟

کام یابی کا راز

نعمت اسلام میں تو اللہ تعالی نے انسان وجنات کی کام یابی وکام رانی کا راز رکھا ہے، پھر ہم اس عظیم انسانی نعمت کو کیسے بھول سکتے ہیں اور اس فطری شرف کا انکار کیسے کر سکتے ہیں او

رایمانی سربلندی کو کیوں کر فراموش کر سکتے ہیں؟ اور یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اتنی ساری نعمتوں کے ملنے کے باوجود ہم دعوت الی اللہ اور ذکر خداوندی کو بھلا کر ان لوگوں کی صف میں شامل ہو جائیں، جو اعلیٰ صلاحیت، دانش مندی اور عقل وفکر کی وسعت رکھتے ہیں، لیکن ان کا استعمال غیر ضروری چیزوں میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت کے برخلاف زندگی گزارتے ہیں؟ ہمیں تو اللہ نے دوسروں کی تربیت وتزکیہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے بھیجا ہے اور قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

بلاشبہ معمولی غفلت بھی انسان کو جانوروں اور مویشیوں سے گرا ہوا بنا دیتی ہے، اس کے اندر برائی اور شر وفساد کا مادہ پیدا کر دیتی ہے اور اس کی فطرت میں حق کی دعوت اور امن وسلامتی کے جذبہ کے بجائے ظلم وبربریت، وحشیانہ فعل، قتل وغارت گری، خدا کی ناشکری اور ہر غیر انسانی حرکت کو انجام دینے کی صلاحت پیدا کر دیتی ہے۔

اے کاش کہ مادہ پرست سیاست دان اور لیڈران اِن ناقابل تغیر حقائق کے بارے میں تھوڑی دیر سوچ لیتے اور اس دنیا میں انسان کے حقیقی ہدف کو جان لیتے اور یہ کہ ان سب کو آخرت کی طرف لوٹ کر حساب دینا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے :**یَاأَیُّھَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ، لَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوَّاکَ فَعَدَلَکَ، فِیْ أَیِّ صُورَۃٍ مَّا شَاء رَکَّبَکَ، کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُونَ بِالدِّیْنِ، وَإِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِیْنَ، کِرَاماً کَاتِبِیْنَ، یَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ** (اے انسان! تم کو اپنے معزز پروردگار کی طرف سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہے؟ جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو اعضاء وجوارح دیے اور اعتدال کے ساتھ تمہارا نظام بنایا اور کتنی اچھی صورت میں تم کو پیدا کیا، ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے، تم قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہو اور تمہارے اوپر نگراں ہیں، جو معزز ہیں اور سارے اعمال کو لکھ رہے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔)

تعدیۂ مرض: شرعی جائزہ اور نقطۂ اعتدال

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

مادیت، اَسباب پرستی اور ''حُبُّ الدنیا و کراھیۃُ الموت ''(دنیا طلبی و آخرت فراموشی) کے ہمارے اِس دور میں ''کورونا وائرس'' کے نام سے، عالمی پیمانہ پر وبائی مرض کے حوالہ سے، عوام میں جو خوف و دہشت پھیلائی اور بٹھائی گئی، اور اُس کے نتیجہ میں عمومی طور پر مایوسی اور وحشت کی جو کیفیت پیدا ہوئی، اور اِیمان و یقین کے تقاضوں، اور توکل و تفویض کے ولولوں پر جو کھلی ہوئی زد پڑی، وہ یقیناً کوئی خوش گوار صورتِ حال اور خوش آئند اِمکانات کا حصہ نہیں ہے۔

عمومی وبا، یا جان لیوا طاعون اِنسانی دنیا کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھے، بلکہ قدیم زمانے سے دنیا کو اِس طرح کے ہولناک اور خطرناک حالات سے واسطہ پڑتا رہا ہے، تاریخ کے صفحات میں نہ جانے کتنے بڑے بڑے حوادث محفوظ ہیں جن میں بڑی تعداد میں اَموات ہوئیں، خود چودہ سو سالہ اِسلامی تاریخ میں اَب تک پچاسوں مرتبہ ایسے طاعون، یا وبائی اَمراض پھیل چکے ہیں جن میں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں، اور کروڑوں کی تعداد میں جانیں گئیں:

۱— : پہلا طاعون حضرت عمرؓ کے زمانہ میں، مشہور قول کے مطابق ۱۸ھ میں شام کے علاقہ میں پھیلا، جو ''طاعون عَمواس'' کے نام سے مشہور ہے، جس میں تقریباً پچیس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

۲— : دوسرا طاعون حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں شوال ۶۹ھ میں پیش آیا، جو ''طاعونِ جارف'' کے نام سے مشہور ہے، جس میں لاکھوں افراد شہید ہوئے، اس میں تین دن ایسے رہے جس میں ہر روز ستر ہزار سے زائد اَفراد جان بحق ہوئے۔

۳— : پھر رجب ۱۳۱ھ میں ''طاعون سلم بن قتیبہ'' شروع ہوا، جس کا سلسلہ کئی ماہ

تک جاری رہا، اور روزانہ ایک ہزار کے قریب لوگ شہید ہوتے رہے۔

۴- :اس کے بعد مشہور طاعونی واقعات میں ۳۲۳ھ کا طاعون ہے، جو ہندوستان اور عجم کے علاقوں میں پیش آیا، جس میں صرف اصبہان سے چالیس ہزار جنازے اٹھے۔

یہی طاعون جب بغداد پہونچا تو وہاں چند ہی دن میں ستر ہزار افراد جاں بحق ہوئے۔

اور کچھ ہی عرصہ بعد ۴۳۹ھ میں موصل، جزیرۃ اور بغداد میں طاعون پھیلا تو صرف موصل شہر میں موت کے اتنے واقعات پیش آئے کہ بعض مرتبہ ایک ساتھ چار ہزار افراد تک کے جنازے پڑھے گئے، اس میں تین لاکھ انسان جان بحق ہوئے۔

۵- : ۴۴۹ھ میں بخاریٰ میں آئے طاعونمیں ساڑھے سولہ لاکھ(۱۶۵۰۰۰۰) افراد جان بحق ہوئے۔

اور اسی طاعونمیں صرف سمرقند میں دس شوال سے اخیر ذی القعدہ تک دولاکھ تریسٹھ ہزار افراد لقمۂ اجل بنے، اور ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک مکتب میں نوسو بچے پڑھتے تھے انمیں سے کوئی ایک بھی نہ بچا۔

۶- :۴۵۵ھ میں مصر میں طاعون دس ماہ تک رہا، وہاں ایک دنمیں ایک ایک ہزار افراد تک کی موت واقع ہوئی۔

۷- : ۴۶۴ھ میں دمشق میں طاعون آیا، اس وقت وہاں کی آبادی تقریبا پانچ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، طاعون کے بعد وہاں صرف ساڑھے تین ہزار افراد باقی رہ گئے۔

۸- : ۴۷۹ھ میں ایسا طاعون آیا جو مشرق و مغرب پر محیط ہو گیا تھا، یہاں تک کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ مکہ مکرمہمیں بھی داخل ہوا۔

۹- : ۸۳۳ھ میں بھی بہت زبردست طاعون پھیلا تھا، جو کہ ۴۴۹ھ کے طاعون کے بعد سب سے بڑا طاعون تھا۔

۱۰- :نویں صدی ہجری (چودہویں صدی عیسوی ۱۳۴۷ سے ۱۳۵۰ء) میں وہ طاعون

عام ہوا، جسے تاریخ میں ’’سیاہ موت‘‘ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، تجزیہ کاروں کے ایک اندازے کے مطابق اس میں صرف یورپ کے ایک چوتھائی (یعنی ڈھائی کروڑ) افراد لقمۂ اَجل بنے۔ آزاد دائرۃ المعارف کے ریکارڈ کے مطابق ’’یورپ، مشرقِ وسطی، ہندوستان اور چین کو ملا کر اِس طاعون میں کم از کم سات کروڑ پچاس لاکھ افراد موت کا شکار بنے‘‘۔

۱۱- :انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایک طاعون چین سے پھیلنا شروع ہوا، اور پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا، ہندوستان میں بھی برسوں اس کے اثرات اور بقیات کا سلسلہ جاری رہا، اس میں پوری دنیا کے ایک کروڑ سے زائد افراد لقمۂ اجل بنے۔

اِس کے علاوہ اِس طویل عرصے میں اور بھی کئی چھوٹے موٹے طاعون آتے رہے، جن میں بڑی بڑی شخصیات، کبارِ صحابہ، مشہور فاتحینِ اسلام جام شہادت نوش فرماتے رہے۔

یہ مختصر اِجمالی فہرست صرف اِس لیے پیش کی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ وباؤں کا پھیلنا، اور ان میں لوگوں کا مرنا، یہ کوئی ایسی نئی چیز نہیں تھی کہ اِس کی وجہ سے ایسی دہشت اور وحشت طاری کرلی جائے کہ ایسے مواقع کے لیے شرعی تعلیمات واَحکام بھی پسِ پشت چلے جائیں۔

جہاں مسلم حکومتیں نہیں ہے، وہاں کے مسلمان تو اپنے ظاہری معاملات ومعمولات میں ملکی قوانین کے پابند ہیں، مگر جہاں خود مسلمانوں ہی کی حکومت ہے، یا جن حضرات کے ذمہ ملکی قوانین کی ترجمانی کے بجائے، شرعی اور اِسلامی تعلیمات واَحکام کی ترجمانی کا فریضہ ہے، یا جہاں تک عام مسلمانوں کے فکر وعقیدہ کا مسئلہ ہے، ان سب کے لیے گفتگو کا لب ولہجہ، اور تقریر واستدلال کا طریقہ وہ نہیں ہونا چاہیے جو ’’آج کل چل رہا ہے‘‘، بلکہ وہ ہونا چاہیے جو ’’شرعی اصول کی روشنی میں ہمارے ہاں آج تک چلا آرہا تھا‘‘۔

جب یہ بات طے شدہ ہے کہ اسلام میں ہر موقع کے لیے ’’ربانی ہدایات‘‘ موجود ہیں، تو ہر موقع پر ’’مغربی ہدایات‘‘ کو اَصل مان کر، اسلامی تعلیمات کو اُن پر منطبق کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ فرمادیا ہے کہ ہم تمھیں جان ومال کے خطرہ، اور فقر وفاقہ

کے اندیشہ وغیرہ سے آزماتے رہیں گے (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ) [البقرة: 155]، تو پھر ہر آزمائش کے وقت حالات، مصالح اور زمانہ شناسی کے حوالہ سے ''خود سپردگی'' کے بجائے، ''حکم عدولی'' کی راہ اِختیار کرلینا، یہ ''خدا پرستی'' کہاں ہوئی؟ یہ تو جذبات پرستی اور حالات پرستی ہوگئی؟

یہ ''وباء'' وغیرہ تو (لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً) (کہ دیکھیں کون اِن مشکلات میں بھی ثابت قدم رہتا ہے؟) میں بیان کردہ اُس ''بلاء'' اور آزمائش کا حصہ ہیں جس کے لیے اِنسان کو دنیا میں بھیجا گیا ہے، لہٰذا ایسے وقت میں شریعت کو اپنے جذبات ومصالح کے تابع کرنے کے بجائے، اللہ پر یقین وتوکل، اور اِیمان واِحتساب کے ساتھ (إني أسلمتُ لِرَبِّ العالَمين) (اللہ کے سامنے خود سپردگی) کا وعدہ پورا کرنا ہی ایک ''مسلمان'' کی پہچان ہے۔

کورونا وائرس کی دہشت کے حوالے سے جہاں مختلف فقہی جزئیات متاثر ہوئے، وہیں بہت سے فکری مسائل بھی ''جدید سائنٹیفک تحقیقات'' کی زد میں آگئے، اُن ہی میں سے ''تعدیہ مرض'' کا مسئلہ بھی ہے، جو علمی ودینی حلقوں میں کافی موضوعِ بحث بنا کہ ''تعدیہ مرض'' ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو اس کی حقیقت، اور شریعت کے نزدیک اس کا صحیح تصور کیا ہے؟ اور اگر نہیں ہوتا ہے تو پھر اِس طرح کے اَمراض وبائی شکل کیوں کر اختیار کرتے ہیں؟ اور یکے بعد دیگرے بہت سے لوگوں کو کیوں لاحق ہوتے چلے جاتے ہیں؟ پھر سب سے بڑھ کر موجودہ سائنسی آلات سے جو تعدیہ کا مشاہدہ کیا جارہا ہے، اس کا جواب کیا ہے؟۔

یہ مسئلہ چوں کہ نصوص میں موجود ہے اس لیے قدیم زمانے ہی سے علمائے اسلام نے اِس موضوع پر نہایت بسط اور تحقیق کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے، شراحِ حدیث نے بھی اِس پر کافی سیر حاصل بحث فرمائی ہے، بلکہ ''اُصول الحدیث'' کی کتابوں میں ''مختلف الحدیث'' کی نوع کے تحت بطور مثال عموماً یہی مسئلہ اور اس سے متعلق احادیث زیر بحث آتی ہیں۔

اِس وقت اِسی قسم کے کچھ حالات کے تقاضے کے تحت، اور کچھ بعض احباب کی

خواہش اور فرمائش پر دل میں بتوفیقہ تعالیٰ یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اِس موضوع پر ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ لکھنے کی کوشش کی جائے، تا کہ اِس مسئلے سے متعلق عام لوگوں کے دِلوں میں پائے جانے والے خلجانات اور ذہنوں میں موجود شکوک وشبہات دفع ہوسکیں، چنانچہ لاک ڈاؤن کے ابتدائی زمانے میں ''**اَسباب وتوکل، طاعون ووباء اور تعدیہ مرض: شرعی جائزہ اور نقطۂ اعتدال**'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب کر کے، بعض اکابر اور مخصوص احباب کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، اَب اِس وقت ''ماہنامہ مظاہر علوم'' کی طلب پر اُس کا خلاصہ ذیل کی سطروں میں پیش کیا جاتا ہے، **وباللہ التوفیق وھو المستعان، ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم.**

تعدیہ مرض

اطباء کے نزدیک اَمراض دو طرح کے ہوتے ہیں:

متعدی، غیر متعدی۔

متعدی: وہ بیماریاں کہلاتی ہیں جو جراثیم کے تعدیہ سے ہوں، طبِ یونانی میں تعدیہ اَخلاط کی عفونت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

غیر متعدی: وہ بیماریاں ہیں جن میں متعدی جراثیم نہ پائے جائیں، یا طبِ یونانی کی اصطلاح میں جو اسبابِ بادیہ سے ہوں۔

تعدیہ مرض شریعت کی نظر میں:

تعدیہ مرض: قدیم وجدید اطباء کے ہاں اُن بدیہی مسلّمات میں سے ہے جس میں کسی اور پہلو کا اِمکان ہی نہیں ہے، مگر فقہاء ومحدثین کے ہاں یہ مسئلہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ سے موضوعِ بحث رہا ہے۔

دراَصل شرعی نقطۂ نظر سے یہاں دو مسئلے ہیں: ایک عام اَسباب کی تاثیر کا مسئلہ۔

دوسرے بعض احادیث کی روشنی میں خاص تعدیہ مرض کا مسئلہ۔

(۱) تاثیرِ اَسباب: پہلے مسئلہ کے بارے میں اہلِ حق اوراہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ تمام اَسباب حادث ہیں، ان کے اندر حق تعالی کے پیدا کرنے سے تاثیر تو ہے، مگر نہ طبعی ہے، نہ لازمی، اور نہ دائمی، بلکہ حادث، عادی اور اکثری ہے، اور وہ بھی اِس عقیدہ کے ساتھ کہ یہ اپنے ہر ہر عمل میں اللہ کے اِرادے، اُس کی مشیئت اور اِذن کے محتاج ہوتے ہیں، اور جب اللہ تعالی چاہتے ہیں تو اپنے کسی بندے کی نصرت اور اِعزاز کے طور پر بدون اِن اسباب کے، یا اَسباب کے عادی نتائج سے علیحدہ خرقاً للعادۃ بھی کوئی اَمر ظاہر فرمادیتے ہیں، اُسی کو ''آیۃ بیّنۃ'' (معجزہ، یا کرامت بھی) کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے اِس کی تعبیر اِس طرح بھی فرمائی ہے کہ اِن اَسباب کے اندر کوئی تاثیر نہیں ہے، نہ طبعاً، نہ عادۃً، بلکہ اللہ تعالی نے اِن کو اپنے فیصلوں پر بطور اکثری علامات اور دلائل کے بنایا ہے، لہٰذا جب جس طرح کا فیصلہ فرمانا چاہتے ہیں اُس طرح کی علامات ظاہر فرمادیتے ہیں، اور بعض مرتبہ فیصلہ تو صادر ہوتا ہے، مگر علامات کا ظہور نہیں ہوتا (ملخصاً از: حاشیۃ تدریب الراوی: للشیخ ابن العجمی، تحقیق الشیخ محمد عوامۃ (۵:۱۲۰)، والکوکب الدری للکنکوہی (۲:۱۷۷)، وأنفاسِ عیسی للتھانوی، (ص ۲۶۲)، وأوجز المسالک للکاندھلوی ۶۹۰ :۱۵)۔

(۲) تعدیہ مرض: تعدیہ مرض کا طبعی اور لازمی نہ ہونا تو اہلِ اسلام کے ہاں متفق علیہ ہے، مگر عادۃً بھی تعدیہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اِس سلسلہ میں واردِ بعض اَحادیث کے ظاہر سے ''عدویٰ'' (چھوت چھات) کی بالکلیہ نفی اور اِنکار سمجھ میں آتا ہے، اور بعض اَحادیث کے ظاہر سے فی الجملہ ''عدویٰ'' کا اِثبات سمجھ میں آتا ہے، اِس لیے علماء ومحدثین کے ہاں بھی اِس مسئلہ میں اِختلاف ہوگیا، ذیل میں ہم اَحادیثِ نبویہ، اور اَقوالِ علماء کی روشنی میں اِس موضوع کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں، آمین۔

تعدیہ مرض : اَحادیثِ نبویہ کی روشنی میں:

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے: **لا عَدْوی، ولا طِیَرۃ، ولا ھامَۃَ، ولا**

صَفَرَ، وفِرَّ من المَجذوم كماتَفِرُّ من الأسدِ. (حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عَدویٰ کوئی چیز نہیں ہے، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے، اور نہ مقتول کی روح کھوپڑی کی شکل میں آتی ہے (اور دوسری شرح یہ ہے کہ: اور نہ الّو سے کوئی بدشگونی ہے)، اور نہ ماہِ صفر میں کوئی نحوست ہے، اور کوڑھ کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو)۔

اِس حدیث کے پہلے جملے سے بطورِ خاص، اور باقی ابتدائی حصہ سے بھی "عدوی" (اور دیگر بدعقیدگیوں) کی نفی کا مضمون سمجھ میں آرہا ہے، جب کہ آخری حصہ سے جُذام (کوڑھ) کے مرض کا متعدی ہونا مترشح ہورہا ہے۔

اور دونوں ہی مضمون کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ جن روایات سے "عدویٰ" کی نفی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہیں:

وہ احادیث جو "عدوی" کی نفی پر مشتمل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے: لا عدوى ولا طيرة، إنما الشؤم في ثلاث: في الفرس والمرأة والدار [البخاری ۵۴۳۸] (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا، اور نہ ہی بدشگونی کوئی چیز ہے، (اگر ہوتی تو) نحوست صرف تین چیزوں میں (ہوتی): گھوڑے، عورت اور گھر میں)۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا عدوی" چھوت چھات کچھ نہیں ہے، اِس پر ایک اَعرابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: حضور! آپ کا کیا خیال ہے کہ اونٹ صحراء میں بالکل ٹھیک ٹھاک اور چاق وچوبند رہتے ہیں، اِسی درمیان کوئی خارش زدہ اونٹ اُن میں پہنچ جاتا ہے، اور پھر اُس سے دوسرے اونٹوں کو بھی خارش لگ جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: فمَن أعدى الأول؟ اگر یہی بات ہے تو پہلے والے

کو کس کا مرض لگا تھا؟[البخاری ۵۷۷۵]۔

۳–حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ (وعظ کے لیے) کھڑے ہوئے، اور اِرشاد فرمایا: لا یُعدِي شيء شيئاً'' کوئی ایک، دوسرے کو مرض نہیں لگاتا، اس پر ایک اَعرابی بولا : یارسول اللہ! بعض مرتبہ ہم لوگ خارش زدہ اونٹ باڑے میں لے جاتے ہیں تو اُس سے سارے ہی اونٹ خارش زدہ ہوجاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فمَن أجرب الأولَ؟ لا عَدوی، ولا صفر، خَلقَ الله كلَّ نفس، وكتبَ حياتَها ورِزقَها ومَصائِبَها [الترمذی ۲۱۴۳] تو پہلے والے کو کس نے خارش زدہ کیا تھا؟ عَدویٰ کوئی چیز نہیں ہے، ماہِ صفر سے بدشگونی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو پیدا کیا ہے، اور سب کی زندگی، رزق اور پیش آنے والے اچھے برے حالات سب لکھ دیئے ہیں۔

۴– حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑھ کے ایک مریض کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ پیالہ میں کھانے میں شامل کیا اور فرمایا کہ: اللہ کا نام لے کر کھاؤ، مجھے اللہ پر بھروسہ ہے اور اللہ ہی پر توکل واعتماد ہے [الترمذی 1817 :]۔

وہ اَحادیث جن کے ظاہر سے ''عَدویٰ'' کا اِثبات ہوتا ہے:

گذشتہ احادیث کے برعکس بعض اَحادیث وہ ہیں جن کے ظاہر سے ''عدویٰ'' کے اِثبات کا تاثر ملتا ہے، مثلاً:

ا–حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: لا یُورِدُ مُمْرِضٌ علی مُصِحّ (بیمار اونٹ والا اپنا اونٹ صحت مند اونٹ والے کے پاس نہ لائے [البخاری ۵۷۷۱، ومسلم ۲۲۲۱]۔

۲–حضرت اُسامہؓ سے روایت ہے..... : فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدَموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فراراً منه (کہ جب تم کسی جگہ کے بارے میں طاعون کی خبر سنو تو وہاں جاؤ مت، اور جب کسی جگہ پھوٹ پڑے اور تم وہاں موجود ہو تو اُس سے بھاگ کر وہاں سے نکلو مت) [البخاری ۵۷۲۸، ومسلم ۲۲۱۸]۔

۳– اِسی طرح کا مضمون حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ سے بھی مروی ہے، اور اُنھی سے یہ حدیث سن کر حضرت عمرؓ اپنا ملکِ شام کا سفر اَدھورا چھوڑ کر، مقامِ سَرغ سے مدینہ واپس ہو گئے تھے [البخاری ۵۷۲۹].

۴– حضرت مُعیقیبؓ جو کہ بدری صحابی تھے، کوڑھ کے مریض تھے، حضرت عمرؓ کے کاتبِ خاص (سیکریٹری) بھی تھے، آپ نے اُن سے فرما رکھا تھا کہ: تم مجھ سے ایک نیزہ کے بقدر فاصلے سے بیٹھا کرو [تہذیب الآثار للطبری ۳۲ : ۳، مسند علی: عن الزہری مرسلاً].

۵– حضرت شَرید ثقفیؓ کی روایت ہے کہ قبیلۂ ثقیف کے وفد میں کوڑھ کا ایک مریض تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہلا بھیجا کہ: ہم نے تمھیں بیعت کرلیا ہے، تم واپس چلے جاؤ: إنا قد بایعناک، فارجع [مسلم ۲۲۳۱]۔

۶– عبد اللہ بن ابی اَوفیؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوڑھ کے مریض سے بات کرتے وقت ایک نیزے یا دو نیزے کی دوری پر رہا کرو: کَلِّمِ المجذومَ و بینك و بینه قِیدَ رُمحٍ، أو رُمحین (الطب النبوی: لأبی نعیم الاصفہانی ۳۶۵ :۱، وسندہ واہٍ کما فی "فتح الباری" ۱۵۹ :۱۰]۔

۷– حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوڑھ کے مریض کو زیادہ دیر تک مت دیکھا کرو: لا تُدِیموا النظرَ إلی المجذومین [ابن ماجہ ۳۵۴۳، وقال البوصیری: رجالہ ثقات].

اِس باب کی یہ چند مشہور احادیث ہیں، پہلی قسم کی اَحادیث کے ظاہر سے "عَدوی" کی بالکلیہ نفی ہو رہی ہے، اور دوسری قسم کی اَحادیث کے ظاہر سے اُس کا اِثبات ہو رہا ہے، اِس لیے دفعِ تعارض کے لیے "نسخِ اجتہادی"، "ترجیح" اور "جمع وتطبیق" کی تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت نکالنی ضروری ہے۔

دفعِ تعارض کی مختلف شکلیں:

(۱) نسخ: بظاہر متعارض نظر آنے والی نصوص میں دفعِ تعارض کا ایک مشہور طریقہ اجتہادی طور پر ''نسخ'' مان لینے کا ہے (جس کا زیادہ اِستعمال متقدمین کے ہاں تھا، اِسی لیے سادات حنفیہ کے ہاں بھی یہ طریقہ بکثرت رائج ہے):

چنانچہ راویٔ حدیث سیدنا حضرت ابوہریرہؓ اِسی کے قائل ہیں، جیسا کہ مسلم شریف میں جہاں حضرت ابوہریرۃؓ کی ''**لا عدوی**'' والی حدیث مذکور ہے، وہیں اُس کے بعض طرق میں ایک زیادتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ''**لا عدوی**'' والی روایت کو منسوخ مانتے تھے، اور ''**لا یورد ممرض علی مصح**'' والی روایت کو ناسخ۔

اِس کے برخلاف (تہذیب الآثار للطبری ۳۰ :۳میں) حضرت عائشہؓ سے ایک روایت منقول ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ''**لا عدوی**'' والی روایت کو ناسخ مانتی تھیں، اور دوسری روایت کو یا منسوخ، یا معلول۔

(۲) ترجیح: دفعِ تعارض کا ایک طریقہ ''ترجیح'' کا ہے، کہ اِسنادی یا مَتنی لحاظ سے جس کے اندر وَزن وقوت زیادہ ہو اُس کو ترجیح دے کر اِختیار کرلیا جائے، اور دوسری کو مرجوح قرار دے کر ترک کردیا جائے۔

چنانچہ اِس مسئلہ میں ''ترجیح'' کا طریقہ اِختیار کرنے والوں کی بھی دو جماعتیں ہوگئی ہیں، جن کی تفصیل اگلے شمارے میں پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ

از: مولانا رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، ضلع سورت گجرات

دین اسلام میں انسان کی پیدائش سے لے کر دفن تک کے تمام احوال اور مواقع میں انسان کی مکمل رہنمائی موجود ہے؛ تاکہ ہر مسلمان اپنے حال کے مناسب اسلامی ہدایت پر عمل کرے اور عمل کے میدان میں خواہ عبادات ہوں یا معاملات، اخلاق ہوں یا معاشرت، جہاں مسلمان شریعت پر کسی قدر بفضلہ تعالیٰ عمل پیرا ہوتے ہیں تو ساتھ ہی بعض افعال شریعت میں کوتاہی بھی پائی جاتی ہے۔

بہرحال احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ''جنازہ کا اٹھانا اور لے کر چلنا'' ہے، صحاح ستہ میں اور امام محمدؒ کی جامع صغیر سے لے کر علامہ شرنبلالی کی ''نورالایضاح'' بلکہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی ''مالابدمنہ'' تک تمام کتب فقہ میں صاف اور واضح لفظوں میں جنازہ اٹھانے اور لے کر چلنے کا طریقہ لکھا ہوا ہے جو احناف؛ بلکہ جمہور ائمہ کے نزدیک مسنون طریقہ ہے، اس مختصر تحریر میں جنازہ کے متعلق چار امور کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم صحیح عطا فرمائے اور ہماری غفلت کو دور فرمائے [آمین]

(۱) جنازہ کو چار جانب سے چار شخصوں کا اٹھانا

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی جنازہ کو چار جانب سے اٹھائیں، یہ طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ وغیرہم سے منقول ہے اور یہی طریقہ صحابہ وتابعین میں مشہور ومعروف رہا ہے۔ صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں **فالسنة فی حمل الجنازة أن یحملها أربعة نفر من جوانبها الأربع** [بدائع ۱/۳۰۹] یہ مسنون طریقہ (۱) جنازہ کے گرنے سے حفاظت (۲) اٹھانے والوں پر سہولت (۳) اور جنازہ کو بوجھ اٹھانے سے عدم مشابہت

(۴) اور زیادہ آدمیوں کو اٹھانے کی سعادت حاصل ہونے کی وجہ سے اعلیٰ وافضل ہے، اسی وجہ سے دو شخصوں کا جنازہ کے بیچ آگے پیچھے مونڈھے پر اٹھانا یا چوپایہ پر رکھنا مکروہ ہے۔

آگے لکھتے ہیں: جو شخص جنازہ اٹھانے میں کمال سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ جنازہ کے چاروں جانب کو یکے بعد دیگرے اٹھائے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ جنازہ کے چاروں جانب کو اس طرح اٹھاتے کہ سب سے پہلے جنازہ کے اگلے جانب کو اپنے داہنے کاندھے پر رکھتے (اور چند قدم چلتے پھر ہٹ جاتے) اس کے بعد پچھلے جانب کو اپنے داہنے کاندھے پر رکھتے (اور چند قدم چلتے پھر ہٹ جاتے) اس کے بعد جنازہ کے اگلے بائیں جانب کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھتے (اور اسی طرح چلتے) پھر اس کے پچھلے (بائیں) جانب کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھتے۔

امام محمدؒ جامع الصغیر" میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے **وتضع مقدم الجنازة علی یمینک ثم مؤخرها علی یمینک ثم مقدمها علی یسارک ثم مؤخرها علی یسارک، قال محمد رأیت اباحنیفة یصنع هکذا** [جامع الصغیر ۱۱۷]

جنازہ کو مذکورہ طریقہ سے اٹھانے میں اسلام کی ایک اہم سنت "تیامن" یعنی کسی اچھے کام کو داہنی جانب سے شروع کرنا پر بھی عمل ہو جاتا ہے یعنی میت کا دایاں اٹھانے والے کے دائیں کاندھے پر پھر میت کا بایاں اٹھانے والے کے بائیں کاندھے پر، اور ہر جانب اٹھانے میں چاہئے کہ دس دس قدم اٹھائے چلے تاکہ جنازہ کو چالیس قدم اٹھانے پر جو مخصوص فضیلت وارد ہوئی ہے وہ بھی حاصل ہو جائے **فاذا حمل هٰکذا حصلت البدایة بیمین الحامل ویمین المیت۔ وینبغی ان یحمل من کل جانب عشر خطوات لماروی فی الحدیث "من حمل جنازةً أربعین خطوةً کفرت عنه أربعین کبیرة** [بدائع ۱/۳۰۹] یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر فضائل کے باب میں عمل کیا جاسکتا ہے۔

نُقایہ اور اس کی شرح "فتح باب العنایۃ" میں فقیہ عصر محدث دہر، شارح مشکوٰۃ ملا علی بن سلطان القاری لکھتے ہیں "**وسُنّ فی حمل الجنازة أربعة "عن ابن مسعود** رضی اللہ عنہ **أنه قال من السنة**

حمل السریر بجوانبه الاربع (کتاب الاٰثار لمحمد) فلیأخذ بجوانب السریر الأربع (أبوداؤد الطیالسی) من اتبع جنازةً فلیأخذ بجوانب السریر الأربع کلها فإنه من السنة فإن شاء فلیتبع وإن شاء فلیدع (ابن ماجه) ویقول علِی الازدی رأیت ابن عمر فی جنازة فحمل بجوانب السریر الأربع (زیلعی فی نصب الرایة) ولقول أبی هریرة من حمل الجنازة بجوانبها الأربع فقد قضی الذی علیه (مصنف عبدالرزاق) وورد من حمل الجنازة بجوانب السریر الاربع غفر له أربعون کبیرة (ابن عساکر عن واثلة) [النقایہ مع شرحہ عنایہ ۱/۴۳۹]

جنازہ کے اٹھانے میں چار شخصوں کا ہونا سنت ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، جنازہ کو اس کی چاروں جانب سے اٹھانا سنت ہے لہٰذا جو شخص جنازہ کے ساتھ چلے تو چاہیے کہ جنازہ کے چاروں جانب کو مضبوط پکڑے اس لیے کہ یہ سنت ہے پس اگر چاہے تو خوشی سے اس پر عمل کرے ورنہ چھوڑ دے۔ علی ازدی تابعیؒ فرماتے ہیں: میں نے ابن عمر کو ایک جنازہ میں دیکھا آپ نے جنازہ کے چاروں گوشوں کو (یکے بعد دیگرے) اٹھایا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے جس شخص نے جنازہ کے چاروں جانب کو اٹھایا اس نے اپنے حق کو ادا کر دیا۔ ایک حدیث میں وارد ہے جس شخص نے جنازہ کو اس کے چاروں گوشوں سے اٹھایا اس کے چالیس گناہ کبیرہ کی مغفرت ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ جنازہ کے چاروں جانب کو چار افراد کاندھے پر اٹھائیں اور لے کر چلیں۔

(۲) جنازہ کو تیز لے کر جانا

دوسرا مسئلہ ہے جنازہ کو تیز لیجانا، بدائع میں ہے والاسراع بالجنازة افضل من الإبطاء، جنازہ کو تیز لے جانا افضل ہے آہستہ لے جانے سے، حدیث شریف میں ہے ''عجلوا بموتاکم'' میت کو جلد لے جاؤ؛ لیکن یہ عجلت اور تیز لے جانا ''دوڑنے'' کے درجہ میں نہ ہو، دوڑنے کو عربی میں خبب بھی کہتے ہیں اور دوڑ کے بغیر تیز چلنے کو اسراع کہتے ہیں پس جنازہ کو اتنا تیز لے کر چلنا چاہیے جس سے میت کو ہچکولے نہ لگیں: لکن أن یکون

الاسراع دون الخبب، والخبب ضرب من العدو دون العنق وهو الذی یوذی إلی اضطراب المیت یعنی ’’خبب‘‘ ایک قسم کی دوڑ کو کہتے ہیں جس سے میت کو ہچکولے لگیں اور جنازہ کے ساتھ مشایعت کرنے والوں کو ضرر لاحق ہونے لگے (بدائع)

شرح نقایہ میں ہے ’’ویسرعون بها لقوله علیه السلام اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخیر تقدمونها الیه وان تک غیر ذلک فشر تضعونه عن رقابکم (متفق علیہ) یعنی جنازہ کو تیز لے چلو اس لیے کہ اگر وہ نیک ہے تو تم اس کو خیر کی طرف جلدی پہنچا دو اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو جلدی سے اپنی گردن سے شر کو اتار دو (النقایہ ۴۴۰)

بہر حال جنازہ کو جلد لے جانا تیز لے کر چلنا مطلوب و مستحب ہے، مراقی الفلاح میں ہے ویستحب الاسراع بها جنازہ کو تیز لے جانا مستحب ہے (مراقی: ۳۳۱)۔

جب جنازہ کو تیز لے کر چلنا مطلوب ہے تو لامحالہ شرکائے جنازہ کو بھی تیز چلنا چاہیے عن ابن مسعود قال سألنا نبینا ﷺ عن المشی مع الجنازة فقال مادون الخبب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کے ساتھ چلنے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا دوڑنے سے کم

عن عیینه بن عبدالرحمن عن ابیه انه کان فی جنازة عثمان بن أبی العاص وکنا نمشی مشیاً خفیفاً فلحقنا أبو بکرة فرفع سوطه فقال لقد رأیتنا ونحن مع النبی ﷺ نرمل رملاً (ابوداؤد :۴۵۳) عیینہ بن عبدالرحمن اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عثمان بن ابی العاصؓ کے جنازہ میں تھے اور ہم آہستہ آہستہ چل رہے تھے کہ ہمارے پاس حضرت ابو بکرہؓ آئے اور ہم پر (تنبیہ کے لیے) کوڑا اٹھایا اور فرمایا کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ تیز چلتے تھے۔

حاصل یہ کہ جنازہ کو اٹھانے والے تیز لے کر چلیں۔

(۳) جنازہ کے پیچھے چلنا

تیسرا حکم جنازہ کے پیچھے چلنا ہے، جنازہ کے پیچھے چلنا احناف کے نزدیک افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انه علیه السلام كان يمشي خلف جنازة سعدبن معاذ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن معاذ کے جنازہ میں پیچھے پیچھے چلتے تھے۔

حضرت ابوامامہؓ کی حدیث ہے انّ رسول اللهﷺ مشى خلف جنازة ابنه إبراهيم حافياً کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے ابراہیمؓ کے جنازہ کے پیچھے ننگے پاؤں چلے (مراقی: ۲-۳۳۲) امام طاؤس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں مامشی رسول اللهﷺ حتى مات الا خلف الجنازة کہ نہیں چلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چلے وفات تک مگر جنازہ کے پیچھے ،حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں فضل المشي خلف الجنازة على المشي امامها كفضل المكتوبة على النافلة کہ جنازہ کے پیچھے چلنے کی فضیلت جنازہ کے آگے چلنے پر ایسی ہے جیسے فرض کی فضیلت نفل پر،حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشادفرماتے ہیں الجنازة متبوعة وليست بتابعة وليس معها من تقدمها جنازہ متبوع ہے تابع نہیں ہے اور جو جنازہ کے آگے چلا وہ جنازہ کے ساتھ نہیں ہے،یعنی جنازہ کے ساتھ چلنے والے پیچھے چلیں؛ کیوں کہ متبوع آگے ہوتا ہے۔

جنازہ کے ساتھ چلنے کی حکمت نصیحت اور عبرت پکڑنا ہے اور یہ مقصد جنازہ کے پیچھے چلنے میں زیادہ حاصل ہوتا ہے؛ اس لیے کہ جنازہ نگاہ کے سامنے ہوتا ہے تو عبرت حاصل ہوتی ہے ولأن المشي خلفها اقرب الى الاتعاظ لأنه يعاين الجنازة فيتعظ؛البتہ جنازہ اٹھانے کی خاطر بعض افراد کو آگے بڑھنے کی ضرورت ہے اسی طرح شرکائے جنازہ کی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے بعض لوگ جنازہ کے آگے آگے مگر قریب سے چلیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛لیکن قطار لگانا بہر حال غلط رواج ہے۔

جنازہ لے جانے کا رواجی طریقہ

جنازہ کے مذکورہ تینوں احکام (۱) کاندھے پر اٹھانا (۲) لے کر تیز چلنا (۳) جنازہ کے پیچھے چلنا، کو ذہن نشین رکھیے اور پھر اپنے علاقہ میں جنازہ کو لے جانے کا طریقہ اور ساتھ چلنے والوں کا طرز عمل دیکھیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ یہ رواجی طریقہ سنت سے کتنا مطابق ہے اور کتنا اس کے خلاف جارہا ہے۔

(۱) جنازہ کے صرف چار گوشوں کو اٹھانا مسنون ہے؛ جب کہ رواجی طریقہ میں متعدد لوگ جنازہ کے بیچ میں بھی اٹھائے ہوتے ہیں۔

(۲) جنازہ کے پیچھے چلنا مسنون ہے جب کہ بہت سے لوگ جنازہ کے کافی آگے آگے رہتے ہیں۔

(۳) جنازہ کے آگے ہونے والے جنازہ اٹھانے کے لیے لائن لگاتے ہیں؛ جب کہ قطار لگانا حدیث وفقہ کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) جولوگ قطاریں ہوتے ہیں وہ اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں؛ حالاں کہ بغیر قطار کے بھی آگے چلنا خلاف افضل ہے۔

(۵) اور اگر قطاریں لگ کر کچھ چلتے بھی ہیں تو صحیح وفطری طریقہ کے خلاف دائیں یا بائیں طرف کھسکتے ہیں۔

(٦) جنازہ کو ہاتھوں پر اٹھانے والے اپنی جگہ کھڑے رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ جنازہ آگے کیا جاتا ہے؛ جب کہ کاندھے پر رکھ کر چلنا چاہیے۔

(۷) قطار لگانے اور ہاتھوں ہاتھ گذارنے کی وجہ سے شرکائے جنازہ بالکل آہستہ چلتے ہیں جب کہ قدرے تیز چلنا مطلوب ہے۔

مروجہ طریقہ کے نقصانات

یہ رواج بعض علاقوں میں اس قدر جڑ پکڑ چکا ہے کہ عوام ہی نہیں علماء کرام بھی اس قطار میں شامل ہیں حتیٰ کہ اہل علم کے علاقہ میں بھی جنازہ لے جانے کا یہی ڈھنگ ہے، ممکن ہے کہ دوسرے علاقہ میں بھی یہ رواج ہو۔ مروّجہ طریقہ کی وجہ سے (۱) جنازہ کو بس ہاتھ لگانا ایک حق سمجھ لیا گیا ہے اسی لیے اہتمام سے قطاریں لگ جاتے ہیں؛ بلکہ بعض لوگ تو قطاریں لگنے کی تلقین کرتے ہیں اور جب کسی بڑے عالم کا جنازہ ہوتا ہے تو محض شرکائے جنازہ کو ہاتھ لگانے کی سعادت مل جائے اس کے لیے جنازہ کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھے جاتے ہیں جو یقینا

ضرورت سے زائد ہے (۲) اس کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ جنازہ کو قبر تک پہنچنے میں خصوصاً جب کہ کسی بڑے عالم کا جنازہ ہو تاخیر ہوتی ہے جو منشائے شریعت کے خلاف ہے (۳) شرکائے جنازہ بالکل آہستہ چلتے ہیں یہ بھی اس موقع پر مزاج شریعت کے خلاف ہے۔

غور کرنے سے مزید نقصان بھی معلوم ہوسکتا ہے غرض یہ کہ جنازہ کو کاندھے پر رکھ کر تیز لے کر چلنے کا مسنون طریقہ بالکلیہ متروک ہو چکا ہے؛ اس لیے اس کی اصلاح ضروری ہے اس طرح کہ ہر علاقہ میں باوقار علماء کرام جنازہ اٹھانے اور اس کے لے جانے کا صحیح طریقہ مسلمانوں کے سامنے بیان کریں اور جب جنازہ اٹھائے جانے کا موقع آئے تو عملی طور پر اہل علم خود ایسا کریں اور دس دس قدم چل کر بتائیں۔

چوں کہ جنازہ کو کاندھا دینے کی ضرورت ہے؛ تا کہ میت کو اعزاز کے ساتھ بہ سہولت اس کی منزل تک پہونچایا جاسکے؛ اس لیے بطور تعلیم وتربیت ہر بستی میں جنازہ کو اٹھانے کے لیے عارضی طور پر بغیر نزاع کے ایسے افراد جو توانا اور یکساں قد ہوں مقرر ہو جائیں؛ تا کہ آگے بڑھ کر جنازہ کو اٹھائیں اور لے کر چلیں یہاں تک کہ لوگ سنت طریقہ پر آجائیں اور مزاج بن جائے اور جو لوگ مریض یا ضعیف ہیں یا ان کے لیے جنازہ کو کاندھے پر لینا مشکل ہے جیسے پستہ قد ہوں یا بچے ہوں یا شرکائے جنازہ کی کثرت کی وجہ سے بعض لوگوں کے لیے کاندھا دینا مصیبت سے خالی نہ ہو تو ایسے لوگ نہ اٹھائیں بس ساتھ ساتھ چلتے رہیں نماز جنازہ ادا کرنے پر ایک قیراط اور دفن میں شریک ہونے پر دو قیراط کا ثواب بہر حال انھیں ملے گا **من تبع جنازۃً فصلی علیھا فلہ قیراط و من تبعھا حتی یفرغ منھا فلہ قیراطان** (ابوداؤد) ان صورتوں میں بس کاندھا دینے کی فضیلت نہ پاسکیں گے؛ لیکن جنازہ کے آگے لائن لگا کر خلاف شرع عمل کی قباحت سے محفوظ رہیں گے۔

(۴) جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کو شریعت نے ایک خاص ہدایت یہ دی ہے کہ وہ اپنی زبان ذکر یا قراءت قرآن میں مشغول رکھیں اور وہ بھی پست آواز سے نہ کہ بلند آواز سے اور اگر ذکر میں مشغول

نہ رکھے تو پھر خاموشی کو لازم پکڑے یکرہ رفع الصوت بالذکر و القرآن و علیهم الصمت (مراقی الفلاح ۳۳۲) وفی السراج یستحب لمن تبع الجنازة ان یکون مشغولا بذکر اللہ و التفکر فیما یلقاه المیت و ان هذا عاقبة أهل الدینا۔ و لیحذر عما لا فائدة فیه من الکلام فإن هذا وقت ذکر و موعظة فتقبح فیه الغفلة فإن لم یذکر اللہ فلیلزم الصمت و لا یرفع صوته بالقرائة و لا بالذکر و لا یغتر بکثرة من یفعل ذلک یعنی سراج الوہاج میں لکھا ہے کہ ”جنازہ کے ساتھ چلنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ ذکر اللہ میں اوران چیزوں کے غور وفکر میں مشغول رہے جو میت کو پیش آنے والی ہیں اور چاہیے کہ بے فائدہ کلام سے بچے؛ اس لیے کہ یہ وقت ذکر و نصیحت حاصل کرنے کا ہے، لہٰذا اس میں غفلت بہت بری ہے، اور اگر ذکر میں مشغول نہ ہو سکے تو خاموشی کو لازم پکڑے، اور قراءت اور ذکر میں آواز بلند نہ کرے (طحطاوی علی المراقی ۳۳۲) عن قیس ابن عبادة انه قال کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یکرهون رفع الصوت عند ثلثة عند القتال و عند الجنازة و الذکر و لأنه تشبه باهل الکتاب فکان مکروهاً قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابۂ کرامؓ تین مواقع میں رفع صوت کو ناپسند فرماتے تھے ۱- قتال کے موقع پر ۲- جنازہ کے موقع پر ۳- اور ذکر کے وقت، نیز جنازہ کے موقع پر آواز بلند کرنا اہل کتاب سے تشبہ ہے؛ اس لیے بھی مکروہ ہے۔

اس ہدایت کو ذہن نشین رکھیں، بعض لوگ اس کے بالکل خلاف کرتے ہیں عموماً جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے علیک سلیک کے بعد دنیاوی باتوں میں کاروباری، سیاسی، اور گھریلو اور دیگر غیر ضروری باتوں میں مشغول ہوجاتے ہیں اور چوں کہ جنازہ میں مختلف جگہوں سے لوگ شریک ہوتے ہیں؛ اس لیے متعدد ملاقات اور دیگر احوال سے باخبر ہونے میں وقت صرف ہوجاتا ہے اور جنازہ میں شرکت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے بھی آخرت کی طرف دھیان نہیں جاتا۔ نیز دفن کے موقع پر بھی ایک قسم کا شور ہوتا ہے جو ناپسندیدہ ہے، یہاں پر بھی خاموشی کا ماحول اور معمول بنانے کی ضرورت ہے ۔اللہ تعالیٰ ہماری اس غفلت کو دور فرمائے اور مقصود پر نظر رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔☆ ☆ ☆ ☆

کتاب نہج البلاغۃ کی حقیقت

رضوان اللہ نعمانی

صدر المدرسین مدرسہ تعلیم الدین پرانا پل بنارس

آج کل سوشل میڈیا پر مختلف امیج کی شکل میں امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جملے نہج البلاغہ وغیرہ نامی کتابوں کے حوالے سے بکثرت نشر کیے جارہے ہیں، جنکا مستند کتب احادیث میں کوئی ذکر نہیں ہے، عام طبقہ کہیں انجانے میں کسی گمراہی شیعت وغیرہ میں مبتلا نہ ہوجائے اس لیے حدیث نبوی ''الدین النصیحۃ'' کے پیشِ نظر ضروری سمجھا گیا کہ ''نہج البلاغہ'' کی حقیقت اور اس کے مضامین کے کذب وافتراء ہونے کو محدثین کے کلام کی روشنی میں عوام الناس کے سامنے آشکارہ کردیا جائے۔

حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہوکر آئی باتیں کسی مستند عالمِ حدیث سے رجوع کیے بغیر ہرگز وائرل نہ کریں، نہج البلاغہ نامی کتاب قطعاً اہل سنت والجماعت کی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی معتبر ہے، بلکہ وہ شیعوں کی کتاب ہے اور ان کے یہاں اس کتاب کا مقام قرآن کے نیچے اور (العیاذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ سے بڑھا ہوا ہے۔

نعوذ باللہ من ذلك۔ اللهم اهدنا الصراط المستقيم۔

نہج البلاغہ اہل سنت والجماعت کے یہاں غیر معتبر کتاب ہے، اولاً اس کتاب کے مصنف کے بارے میں اختلاف ہے کہ کون ہیں؟ علامہ حاجی خلیفہؒ نے کشف الظنون (۲/۱۹۹۱) میں اور شیخ عبد اللطیف بن محمد رِیاض زَادَہ حنفی (متوفی: ۱۰۷۸ھ) نے اسماء الکتب (ص: ۱۴۸) میں مشہور مؤرخ علامہ ابن خلکان سے نقل کیا ہے کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا نہج البلاغۃ کے مصنف شریف، ابو القاسم علی بن طاہر المرتضی (متوفی: ۴۳۶ھ) ہیں؟ یا ان کے بھائی الشریف، الرضی،

البغدادی ہیں؟ امام ذہبیؒ تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ دونوں بھائی رافضی تھے. اس کی تصانیف میں صحابۂ کرام پر سب وشتم اور انکی تکفیر پائی جاتی ہے، امام ابن حزمؒ نے کہا کہ یہ شیعہ کے فرقہ امامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (وفیات الأعیان لابن خلکان ۳/ ۳۱۳ وتاریخ الاسلام ۹/ ۵۵۸)۔

ثانیاً: اس کتاب کے اندر مذکور باتیں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام نہیں ہیں، بلکہ ان کو گھڑنے والے نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف منسوب کردیا ہے، جیسا کہ امام ذہبی وغیرہ نے یہی کہا ہے، روافض نے اپنے مزعومہ نظریہ: حضرت علی کے لئے عصمت (جو کہ خاصۂ نبوت ہے) اور امامت (جوشیعوں کے یہاں نبوت سے بڑھی ہوئی چیز ہے) بلافصل کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کچھ جملے پیش کئے ہیں جن میں انکے باطل زعم کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود ہی اپنے لئے عصمت وامامت کا دعوی کیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ روافض کے اس باطل نظریہ اور ان کے پیش کردہ خود ساختہ دلائل کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

یہ چیزیں قطعاً جھوٹ ہیں، یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے کھلے جھوٹ کا دعوی کرنے سے بالکل مبرا ہیں، سوال یہ ہے کہ ان نقول کی سندیں کہاں ہے؟ حضرت علیؓ تک تسلسل کے ساتھ قابل اعتماد لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے، ہاں البتہ اس جیسی چیزیں نہج البلاغہ وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، اور اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ نہج البلاغہ کے اکثر خطبات گھڑ کر حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے اکثر مضامین کسی قدیم سابق کتاب میں نہیں ہیں اور نہ ہی انکی معروف ومقبول سندیں ہیں، تو سوال یہ ہے کہ ان مضامین وخطبات کو نہج البلاغہ میں کہاں سے نقل کیا ہے؟ جبکہ منقولات کے لئے ضروری ہے کہ وہ منقول عنہ سے لیکر ہم تک تسلسل کے ساتھ معروف ومعتبر اسانید کے ساتھ ثابت ہوں۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب بعض خطبات جن کو جاحظ نے اپنی کتاب ''البیان والتبیان'' کے اندر چند سطروں میں نقل کیا ہے، انہیں کو نہج البلاغہ کے شیعہ مصنف

نے بہت بڑھا چڑھا کر نقل کیا ہے جبکہ وہ اضافہ جاحظ کے زمانے تک نہیں تھا، یا جاحظ نے جن اقوال کو کسی اور کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور نہج البلاغہ کے مصنف نے بعینہ انکو حضرت علیؓ کی طرف طرف منسوب کر دیا ہے۔

نیز نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ کی طرف بہت سے ایسے خطبات منسوب ہیں کہ خود حضرت علیؓ سے صحت اسناد کے ساتھ انکے خلاف باتیں منقول ہیں، روافض کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس طرح انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال میں تناقض ثابت کر دیا جس سے ان کا دامن بلاشبہ پاک ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر نہج البلاغہ میں مذکور خطبات سب کے سب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہوتے تو اس کتاب کے لکھے جانے سے پہلے بھی حضرت علیؓ سے ضرور منقول ہوتے، خواہ اسناد کے ساتھ، خواہ بغیر اسناد کے۔

منقولات میں مہارت رکھنے والا آدمی جب جان لے گا کہ اس کے اکثر خطبات اس کتاب کے وجود میں آنے سے پہلے معروف نہیں تھے تو وہ انکو یقینی طور پر جھوٹ گردانے گا، ورنہ تو ان کے ناقل کو بتلانا پڑے گا کہ کس قدیم کتاب میں ان خطبات کا ذکر ہے؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کس نے نقل کیا ہے؟ اور اس کی سند کیسی ہے؟۔ (منہاج السنۃ النبویۃ ۷/۸۶ و ۸/۵۶)۔

امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ میزان الاعتدال ۳/ ۱۲۴ میں لکھتے ہیں: جو شخص نہج البلاغہ کا مطالعہ کرے گا وہ یقین سے جان لے گا کہ یہ خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی منسوب کردہ چیزیں ہیں، اور اس کے اندر حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر صریح سب وشتم اور انکی توہین وتنقیص ہے، اور اس میں ایسے تناقضات اور رکیک کلام ہیں کہ ہر سلیم الطبع اور صاحب بصیرت آدمی یقین کر لے گا کہ اس کتاب کی اکثر باتیں باطل ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی لسان المیزان میں امام ذہبی کے اس کلام سے اتفاق کیا ہے۔

کسی کو حقیر نہ جانئے

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد،حیدرآبا،استاذ دارالعلوم دیودرگ

خراسان کا بادشاہ شکار کھیل کر واپس آنے کے بعد تخت پر بیٹھا تھا، تھکاوٹ کی وجہ سے اس کی آنکھیں بوجھل ہورہی تھیں، بادشاہ کے پاس ایک غلام ہاتھ باندھے مودب کھڑا تھا، بادشاہ کو سخت نیند آئی ہوئی تھی مگر جب بھی اس کی آنکھیں بند ہوتیں تو ایک مکھی آکر اس کی ناک پر بیٹھ جاتی تھی اور نیند اور بے خیالی کی وجہ سے بادشاہ غصے سے مکھی کو مارنے کی کوشش کرتا لیکن اس کا ہاتھ اپنے ہی چہرے پر پڑتا تھا اور وہ ہڑبڑا کر جاگ جاتا تھا، جب دو تین دفعہ ایسا ہوا تو بادشاہ نے غلام سے پوچھا: تمہیں پتہ ہے کہ اللہ نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے، اس کی پیدائش میں اللہ کی کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ غلام نے بادشاہ کا یہ سوال سنا تو اس نے ایسا جواب دیا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

غلام نے جواب دیا:" بادشاہ سلامت...!!!اللہ نے مکھی کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ بادشاہوں اور سلطانوں کو یہ احساس ہوتا رہے کہ وہ خود کو کہیں خدا نہ سمجھ بیٹھیں کیوں کہ وہ خود سے ایک مکھی کو بھی قابو میں نہیں کرسکتے۔" کہتے ہیں کہ بادشاہ کو اس غلام کی بات اتنی حکمت بھری لگی کہ اس نے اسے آزاد کر کے اپنا مشیر خاص مقرر کرلیا-

اللہ عزوجل نے ہر شخص کو یکساں نہیں بنایا، ہر شخص مماثل صلاحیتوں اور لیاقتوں کا حامل نہیں ہوتا، ہر ادنی سے ادنیٰ شخص میں، اس کے وجود میں اللہ کی کوئی حکمت اور کارسازی ضرور ہوا کرتی ہے، اس لئے کسی شخص کو متکبر بننے اور دوسرے کو حقیر سمجھنے کی اسلام اور شریعت میں بالکل گنجائش نہیں، ہر شخص تقوی وطہارت، للّٰہیت، مخلوق کی نفع رسانی کے لحاظ سے اللہ کے یہاں رتبہ کا حامل ہے، ہر شخص کے ذاتی اعمال اللہ کے یہاں ناپے اور تولے جاتے ہیں، کسی دوسرے شخص کو حقیر تر، کمتر، مجبور تر سمجھنا یہ اللہ

عزوجل کو بالکل گوارا نہیں، انسان تو چھوڑ یئے، ایذاءرسا جانوروں کی پیدائش میں بھی قدرت خداوندی کی جلوہ نمائی اوراس کی حکمت بالغہ کا پرتو موجود ہے، گرچہ ہماری حقیر نگاہ یا متکبر نگاہ اس کو دیکھ نہ پائے۔

ارشاد باری عزوجل ہے: قرآنِ کریم میں ہے: **یٰٓا ایھا الذِین امنو الا یسخر قوم مِن قوم عسی ان یکونو اخیر امِنھم و لا نِساء مِن نِساء عسی ان یکن خیر امِنھن** ’’(الحجرات: ۱۱)

اس میں یہ بتلایا گیا کہ کوئی مرد کسی مرد کو، کوئی عورت کسی عورت کو حقیر نہ سمجھے، ہوسکتا ہے کہ جسے حقیر سمجھا جائے وہ حقیر سمجھنے والے سے اچھا ہو؛ اس لیے کہ کسی کے دل کے حالات ،سوائے اللہ کے کسی کو نہیں معلوم، بسا اوقات کسی کو حقیر سمجھتے ہیں؛ مگر اس کا تعلق اللہ سے بہت گہرا ہوتا ہے، جو بھی کسی کو حقیر سمجھے گا، وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا؛ حتی کہ گنہ گار کو بھی حقیر نہ سمجھو۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ گناہ کو تو حقیر سمجھو؛ مگر گنہ گار کو حقیر نہ سمجھو، پھر حضرت والا نے مثال دی، جیسے بچے کو اگر پاخانہ لگ جائے ،تو ماں اس بچے کو گندا نہیں سمجھتی؛ بل کہ اس کی نجاست کو برا سمجھتی ہے، کیا عمدہ مثال دی حضرت نے!! پھر فرمایا کہ ماں اس نجاست کو پیار ومحبت سے صاف کرتی ہے، اسی طرح اگر کسی انسان کو گناہ میں مبتلا دیکھو تو پیار ومحبت سے سمجھاؤ، حقارت سے نہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دینی بھائی ہے لہٰذا مسلمان، مسلمان پر ظلم نہ کرے اس کی مدد واعانت کو ترک نہ کرے اوراس کو ذلیل وحقیر نہ سمجھے پھر آپ نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ فرما کر کہا کہ پرہیز گاری اس جگہ ہے، نیز فرمایا کہ مسلمان کے لئے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل وحقیر کرے، یعنی کسی مسلمان بھائی کو ذلیل وحقیر کرنا بجائے خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ کوئی گناہ نہ بھی کرے تو اسی کی ایک برائی کی وجہ سے مستوجب مواخذہ ہوگا۔(اور یاد رکھو کہ) مسلمان پر مسلمان کی ساری چیزیں حرام ہیں جیسے اس کا خون، اس کا مال اوراس کی عزت وآبرو۔(مسلم)

اس کو ذلیل حقیر نہ سمجھے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کے عیب کو

اچھال کر اور اس کی برائیوں کو لوگوں کے سامنے بیان کر کے ان کو رسوا اور بدنام نہ کرے اس کے ساتھ بدزبانی اور سخت کلامی نہ کرے اور کوئی مسلمان خواہ کتنا ہی غریب ومحتاج ہی کیوں نہ ہو کتنا ہی ضعیف وناتواں اور کتنا ہی نامراد وخستہ حال ہو اس کا مذاق نہ اڑائے کیونکہ کسی کو کیا معلوم کہ جو مسلمان ظاہر طور پر نہایت خستہ حال ہے اور محتاج ہے، اللہ کے نزدیک اس کا مقام کیا ہے اور انجام ومآل کے اعتبار سے وہ کس درجہ کا ہے، اس حقیقت کو کسی صورت میں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جو بھی شخص لاالہ الا اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کے رسول کا امتی ہے وہ عزت والا ہے اور قابل تکریم ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ''وللہ العزۃ ولرسولہ'' ۔۔۔۔۔۔۔۔الخ۔

لہٰذا کسی مومن کی عزت ایمانی کو کسی حال میں مجروح نہ کرنا چاہیے اور خصوصا مومن جن کے چہرے مہرے سے علم دین اور عبادت الٰہی کا نور جھلکتا ہو ان کی تعظیم وتوقیر کو بطریق اولی ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے، اکثر لوگ اور خصوصا دنیا دار جو نفس کی ظلمت وغفلت میں مبتلا ہوتے ہیں عام طور پر فقرا ومساکین اور غریب وبے کس مسلمانوں کو ذلیل وکمتر سمجھتے ہیں اور ان بیچاروں کے ساتھ انتہائی ترشی اور حقارت کا معاملہ کرتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر مومن کو ذلیل وحقیر کرنے کا عذاب اپنے سر لیتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ ان لوگوں کو دنیا میں بھی عزت واقبال مندی سے نوازتا ہے اور آخرت میں بھی نجات عطا کرے گا جو اس کے غریب ومسکین اور ضعیف وبے کس بندوں کے ساتھ محبت واحترام کا برتا کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسکین وغربا کی محبت حاصل ہونے کی دعا مانگا کرتے تھے، نیز آپ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ فقرا مسکین کی ہم نشینی اختیار فرمائیں جیسا کہ سورت کہف میں مذکور ہے۔

موسی سے فائق، فرعون سے سے گئے گذرے

ایک بزرگ کسی بادشاہ کو زور زور سے ڈانٹنے لگے، تو اس نے کہا: حضرت! آپ موسی علیہ السلام سے بڑے نہیں ہیں اور میں فرعون سے گھٹیا نہیں ہوں، جب اللہ نے موسی

علیہ السلام جیسے نبی کو فرعون جیسے کافر کے پاس بھیجا تھا، تو اس سے بھی نرمی سے بات کرنے کی ہدایت دی تھی: (فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی) (طه :۴۴) آپ مجھے اتنی شدت وسختی سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا میں فرعون سے بھی گیا گزرا ہوں اور آپ موسی علیہ السلام سے بھی فائق ہیں؟!!

خبردار! کسی کو حقیر مت سمجھو

کسی کے نام پر، کسی کے اعمال پر، کسی کے لقب پر کسی کی ظاہری حالت پر ہر گز تحقیر نہ کرنا چاہئے، آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ اکثر لوگ دوسروں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اپنی مطلق فکر نہیں، میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے تو بہت جلد سب کی اصلاح ہو جائے، اور بہت سے عبث اور فضول سے نجات ہو جائے، کبھی کسی کی تحقیر نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر شخص کے متعلق بدرجہ احتمال یہ اعتقاد رہنا چاہئے، کہ ممکن ہے کہ اس میں خدا کے نزدیک کوئی بات ہم سے بہتر ہو۔ (ملفوظات حکیم الامت)

مرد مسلم کا مقام مسجد اور خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو گھورا اور دھمکانا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پیشاب قطع نہ کرو، سبحان اللہ کیسی حکمت کی بات ہے، اس کے لئے کہ یا تو وہ روکتا یا بھاگتا، روکنے پر تو اس کو سخت تکلیف ہوتی اور بھاگنے سے مسجد اور زیادہ خراب ہوتی جب وہ باطمینان پیشاب کر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول اس جگہ بہا دینے کا حکم صادر فرما دیا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں عبادت کی جاتی ہے، اس کو ناپاکی سے ملوث نہیں کرنا چاہئے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ مسلمان کی وقعت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مسجد سے زیادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کی رعایت مسجد سے زیادہ فرمائی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو بہت عظمت والا

ہے،مگر مومن اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ عزت والا ہے۔(رواہ الطبرانی بسند حسن)

توجب مومن کعبہ سے افضل ہے تو دوسری مساجد سے تو یقینا افضل ہے، چونکہ پیشاب روکنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کواس کی بیماری اورتکلیف کااندیشہ تھااس لئے مسجد کے ملوث ہونے کی پروانہ فرمائی۔

مرد مسلم ومومن کے ساتھ ہمارا غلط رویہ

آج یہ حالت ہے کہ مومن کی تذلیل کرتے ہیں اورافسوس تو یہ ہے کہ غیر قومیں مومن کی اتنی تذلیل نہیں کرتیں جتنی یہ نئی روشنی والے غریب مسلمانوں کی تحقیر کرتے ہیں، خاص ہماری قوم میں جوایک طبقہ ذرا کھاتے پیتے لوگوں کا ہے وہ لوگوں کو بدتہذیب کہتے ہیں اور ان کو چوپاوں (جانوروں) سے بدتر سمجھتے ہیں اور پھر مسلمان کہلاتے ہیں اوراپنے آپ کو خیر خواہ قوم کہتے ہیں بس ان کا یہی جواب ہے۔

"قل بِئسمایامر کم بِہ اِیمانکم اِن کنتم مومِنِین"۔آپ فرمادیجئے کہ یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہاراایمان تم کوکررہاہے۔

ہرکس از دستِ غیر نالہ کند		سعدی ز دستِ خویشتن فریاد

ہر شخص غیروں کاشا کی ہے اوران سے نالاں مگر سعدی کواپنوں ہی سے شکایت ہے ۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا احترام وتقدس بجالائے ،اَن پڑھ، جاہل گنوار،شرابی کبابی سے کہہ کرکسی کوحقیر سمجھنے کی شرعااجازت نہیں، یہ عمل تکبر،گھمنڈ،جلن حسد پیدا کرتاہے،اس سے معاشرہ میں پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔

مکتوبِ تعزیت

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ
ایک نابغۂ روزگار شخصیت

از : مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مکرمان ومحترمان بندہ مولانا مفتی محمد امین صاحب زید مجدہٗ و جملہ صاحبزادگان حضرت مفتی صاحب مرحوم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دنیا بھر میں علمی ودینی حلقوں اور علماء ومشائخ کی مجلسوں میں یہ روح فرسا خبر بڑے رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ دَورِ حاضر کے جید عالم، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، محدث عصر حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری طویل علالت کے بعد وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تحریر وتقریر کی محفلوں میں مولانا کو جو عظیم مقام اور بلند اعتماد حاصل تھا اس سے عوام اور خواص سب ہی واقف ہیں، اور اب یہ تمام محفلیں یقینا بیک وقت سونی ہوگئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے مختلف مدارس میں حاصل کرنے کے بعد مشہور ومعروف علمی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں مزید تعلیم کے حصول کے لیے تشریف لائے، چنانچہ یہاں سال شوال ۱۳۷۷ھ/ اپریل ۱۹۵۸ء میں آپ نے یہ چھ کتابیں پڑھیں:

قطبی، بحث اسم، شرح تہذیب، کنز الدقائق، اصول الشاشی، تلخیص المفتاح۔

پھر شوال ۱۳۷۸ھ میں دوبارہ داخلہ لیکر مختصر المعانی، میر قطبی، شرح وقایہ، نورالانوار، سلم العلوم، رشیدیہ پڑھ کر شوال ۱۳۷۹ھ میں تیسری مرتبہ جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر ملا حسن، شرح عقائد، مقامات، میبذی، امور عامہ، ملا جلال، میر زاہد، سبعہ معلقہ سات (۷) کتابیں پڑھ کر امتحان سالانہ میں اول نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

جامعہ مظاہر علوم کے زمانۂ تعلیم میں اگرچہ آپ کا تعلق اپنے تمام ہی اساتذہ سے نیازمندانہ رہا

لیکن بطور خاص قرب وانسیت حضرت مولانا مفتی سید محمد یحییٰ سہارنپوریؒ سے رہی، چنانچہ آپ اپنا زیادہ تر وقت ان ہی کی خدمت میں گذارتے تھے۔

جامعہ مظاہر علوم میں تین سالہ تعلیم کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں داخلہ لے کر جلالین شریف، ہدایہ اولین اور تصریح وغیرہ سے اپنی تعلیم شروع کرتے ہوئے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی اور وہیں پر افتاء کی تعلیم بھی مکمل کی۔

مظاہر علوم میں حصولِ تعلیم کے زمانہ ہی سے آپ کا نیازمندانہ اور عقیدتمندانہ تعلق حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی سے قائم ہو گیا تھا، چنانچہ آپ کثرت کے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اسی نسبت سے گاہ بگاہ ماہِ رمضان میں بھی کبھی اعتکاف اور کبھی ملاقات کی نیت سے حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے چنانچہ رمضان ۱۳۹۷ھ ستمبر ۱۹۷۷ء کا آخری عشرہ معتکف شیخ میں گذارنے کا ذکر تو حضرتؒ نے اپنے روزنامچہ (۴) میں بھی کر رکھا ہے۔

حضرت شیخ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم ہونے پر چند سال معمولات اور اوراد ووظائف کی پابندی اور اس کے اہتمام کے بعد آپ نے حضرت شیخ سے باقاعدہ طور پر ذکر جہری کی اجازت لی اور ۲۴؍رمضان ۱۳۹۲ھ ۲؍نومبر ۱۹۷۲ء سے آپ نے اس کو پابندی کے ساتھ کرنا شروع کیا اور اس راہ میں پیش آنیوالے احوال وواردات کی باقاعدہ طور پر اطلاع اپنے شیخ ومرشد کو دے کر ہدایات ورہنمائی حاصل کرتے رہے۔

یہاں آپ کا ایسا ہی ابتدائی دور کا ایک یادگار خط پیش کیا جاتا ہے جو آپ نے آج سے اڑتالیس سال قبل ۲۸؍شوال ۱۳۹۲ھ ۵؍دسمبر ۱۹۷۲ء میں اس وقت لکھا تھا جب آپ دیوبند سے تکمیل علوم کے بعد دارالعلوم اشرفیہ راندیر، گجرات کے استاذ بن کر درس وتدریس کے میدان میں اتر چکے تھے۔

اس خط کے مطالعہ سے واضح طور پر دو چیزیں اُبھر کر سامنے آتی ہیں، اول یہ کہ جتنے علمائے راسخین کو اللہ تعالیٰ نے علوم شریعت سے نوازا اور پھر ان کے فیوض سے خلق خدا کی ایک کثیر تعداد دنیا بھر میں مستفیض ہوئی انہوں نے اولاً کسی شیخ وقت اور مربی روحانی کے دامن سے وابستہ

ہوکر اپنی اصلاح وتربیت کی ضرورت محسوس کی اور سلوک واحسان کی لائن سے ذکر وفکر کے ساتھ مربوط رہتے ہوئے علمی دنیامیں اپنے قدم بڑھائے ، گویا انہوں نے علوم شریعت کو کافی نہ سمجھتے ہوئے علوم طریقت اور اصلاح باطن کا بھی اپنے آپ کو محتاج سمجھا اور اپنے اندر ملکوتی صفات اور اخلاقِ عالیہ پیدا کرنے کی سخت ضرورت محسوس کی۔

دوسرے یہ کہ جتنے علمائے کاملین ایسے ہیں کہ ان کے فضل وکمال کا دنیانے لوہا تسلیم کیا اوران کے علم وعمل کی تابانی سے دنیا کوروشنی اورتازگی ملی اوروہ اپنی بہترین ذہنی وفکری تربیت کے ساتھ دین وشریعت وعقائد حقہ پر پوری زندگی استقامت کے ساتھ جمے رہے، یہ تمام کے تمام علماء وہ ہیں جنہوں نے اپنے ابتدائی دور میں اپنے آپ کو اپنے تمام تر فضل وکمال اور علم وذہانت کی بے پناہ وسعتوں کے باوجود اپنے دور کے کسی نہ کسی شیخ وقت اور عارف ربانی کے قدموں میں اپنے آپ کو ڈال کر بلکہ پوری طرح اپنے آپ کو ان کے سپرد کرتے ہوئے روحانی تربیت حاصل کرکے صفات کمالیہ اپنے اندر پیدا کیں،تو پھر اس کے نتیجہ میں وقت آنے پر دنیانے ان کو اپنے سروں پر بٹھایا اور عظمتوں کے تاج ان کے سر پر رکھے گئے۔

یہی مطلب ہے حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کے اس ارشاد کا کہ:

’’جس نے چھوٹا بن کر اپنی اصلاح نہیں کی وہ بڑا بن کر مخلوق کی اصلاح نہیں کرسکتا‘‘۔

آج بھی ہمارے اس دور کی حقیقت اور سچائی (خواہ اس کو کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے) یہ ہی ہے کہ بڑا بننے کے لئے پہلے چھوٹا بننا پڑتا ہے، اور نفسِ امّارہ کسی اللہ والے روشن صفات کی جوتیاں سیدھی کرنے ہی سے چھوٹا بن سکتا ہے ؎

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر، بادشاہوں کے خزینوں میں

حضرت مولانا پالن پوری کا ذیل میں پڑھا جانے والا یہ مکتوب بھی اسی حقیقت اور سچائی کی تصدیق وتائید کرتا ہے:

آج جب کہ خط کے کاتب اور مکتوب الیہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو چکے ہیں، یہ خط بطور خاص ان لوگوں کے لیے پیش کیا جا رہا ہے جو اہل علم وعلماء کے انتہائی دور کے شاہانہ طور وطریق، رئیسانہ انداز اور اُجلے لباس پر تو حسد کرتے ہیں لیکن ان کے ابتدائی دور کے مجاہدات، نفس کشی اور ذکر وفکر کی راہ سے قلب ودماغ کی پاکیزگی پر رشک نہیں کرتے۔

اس ضروری تمہید کے بعد حضرت مفتی صاحب مرحوم کا مکتوب بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کو دل ودماغ کی پوری بصیرت، علم وعرفان کی پوری آگہی اور ذہن وفکر کی پوری وسعت کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے۔

"باسمہ سبحانہ وتعالیٰ"

سیدی وسندی نفعنا اللہ بصحبتکم المبارکۃ وأفاض علینا من برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خادمِ حقیر نے رمضان شریف کی چوبیسویں سے ذکر جہری شروع کیا ہے، سہارنپور سے واپسی پر دو ایک روز سفر کی وجہ سے ناغہ ہوا، اس کے علاوہ اللہ پاک کے فضل وکرم سے پابندی کے ساتھ جاری ہے، اور کوئی خاص حالت پیش نہیں آئی۔

بجز اس کے کہ آپ کے حضور میں جو ذکر کرتا تھا اس وقت بہت زیادہ سکون محسوس ہوتا تھا، بار بار گریہ بھی طاری ہو جاتا تھا، جس کی بعض مرتبہ اتنی شدت ہوتی تھی کہ ذکر بند کرنا پڑتا تھا، آپ کے فیض صحبت سے محرومی کے بعد سے گریہ سے بھی محرومی ہوگئی ہے، کبھی کبھار اتفاقاً معمولی دل بھر آتا ہے اور اس طرح ملکہ سبا کے مقولہ" **اَسلَمْتُ مع سلیمٰن للہ رب العَالمین**'' کا مطلب خوب سمجھ میں آ گیا کہ معیت سے کیا کیا برکات حاصل ہوتی ہیں۔

چند روز تو ذکر میں کوئی خاص لطف بھی نہ رہا تھا لیکن بعد چندے اللہ پاک نے دوبارہ ذکر میں لطف عنایت فرما دیا ہے، اب بفضل اللہ خوب جی لگتا ہے۔

چند باتیں حکم طلب ہیں ارشاد عالی سے مطلع فرمائیں:

(۱) نیازمند حضرت والا کی بیشتر تصانیف کا مطالعہ کر چکا ہے بعض کا مکرر، سہ کرّر

بھی کیا ہے لیکن اب یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ مطالعہ صرف علمی حیثیت سے تھا جو کافی نہیں ہے، اب دوبارہ فیض صحبت حاصل کرنے کی غرض سے مطالعہ شروع کروں چنانچہ خصائل نبوی کا مطالعہ شروع کیا ہے کیونکہ شمائل نبوی للامام الترمذی زیر درس ہے نیز کوکب الدری بھی شروع کی ہے کہ جامع ترمذی زیر درس ہے، مکتوبات تصوف[1] دومرتبہ مطالعہ کر چکا ہوں لہٰذا اب اُردو کی کونسی کتاب شروع کروں۔

(۲) علمی کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے رات دیر تک مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے جس کی وجہ سے تہجد کے لیے ہمیشہ صحیح وقت پر اٹھنا مشکل ہوجاتا ہے، دیر سویر ہوجاتی ہے بلکہ بعض مرتبہ تو فوت بھی ہوجاتی ہے، پھر ان کی تلافی مافات کا وقت بھی نہیں ملتا اور دن بھر بہت قلق واضطراب رہتا ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ سونے سے پہلے تہجد کی نیت سے نماز پڑھ لوں؟ اور کتنی رکعات پڑھوں؟

مغرب بعد کے نوافل بفضل اللہ خوب پابندی سے ادا ہورہے ہیں، جن میں نصف پارہ پڑھتا ہوں۔

حضرت والا! خادم نے قرآن پاک دورہ سے فارغ ہونے کے بعد حفظ کیا ہے، اور وہ بھی قلیل مدت میں۔ دارالافتاء دیوبند کی طالب علمی کے ساتھ ساتھ، اس لیے قرآن پاک اچھی طرح جما نہیں ہے، روزانہ آدھا پارہ چند بار کہہ کر یاد کرلیتا ہوں تمام نمازوں میں اسی کو گرداننا رہتا ہوں لیکن اس معمول میں بھی علمی مشاغل حائل بنتے رہتے ہیں، کوشش کرتا ہوں کہ ایک وقت قرآن پاک یاد کرنے کیلئے متعین کردوں، اور اس وقت میں اور کوئی کام نہ کروں، حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ پاک توفیق ارزانی فرمائیں۔

(۳) نفی اثبات والے ذکر میں بوقت نفی سبابہ سے اشارہ کیا جائے یا نہیں جیسا کہ تشہد میں کیا جاتا ہے۔ زیادہ حد ادب۔ کمترین خدام

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

مدرس دارالعلوم اشرفیہ راندیر (ضلع سورت)

۲۸ رشوال ۹۲ ۱۳ھ

اور آج نصف صدی گذرنے کے بعد یقیناً یہ خط ایک یادگار تاریخی حیثیت حاصل کر گیا۔

---

[1] مکتوبات تصوف حضرت شیخ کے اس مجموعہ مکاتیب کا نام ہے، جو راقم سطور نے ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں مرتب کر کے پہلی مرتبہ شائع کیا تھا۔ اس خط سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوگیا کہ طرفین کا ایک دوسرے سے شناسائی کا تعلق نصف صدی قبل ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں قائم ہوچکا ہے۔ (محمد شاہد)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مرحمت فرمودہ محفوظ ذخیرۂ نوادرات میں مفتی صاحب مرحوم کا ایک طویل مضمون ”فکر اسلامی کی تشکیل جدید—ضرورت اور لائحہ عمل“ کے عنوان سے اس احقر کے پاس موجود ہے۔

یہ مضمون کسی زمانہ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی تحریک پر لکھا گیا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب مرحوم اپنی قلمی نگارشات اور تخلیقات حضرت شیخ کی خدمت میں دعاؤں اور توجہات کے حصول کی نیت سے بھی بھیجا کرتے تھے۔

مفتی صاحب مرحوم کو راقم سطور کے ساتھ بھی تعلق خاطر تھا، سلام وکلام کے تبادلے اکثر ہوتے رہتے تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ چونکہ لکھنے پڑھنے کے ذوق سے آشنا اور مالا مال تھے اور یہ راقم سطور بھی شروع ہی سے صفحات سیاہ کرنے کا عادی ہے اس لیے طرفین سے اپنی اپنی تصنیفات وتالیفات کا بھی تبادلہ ہوتا رہتا تھا چنانچہ جب انہوں نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ کی وقیع شرح تالیف کی تو راقم سطور کو بھی اس کا ایک نسخہ بطور ہدیہ ارسال کیا۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد طلحہ کے وصال پر جب وہ آخری مرتبہ بطور تعزیت سہارنپور تشریف لائے تو راقم سطور کے لیے اپنی جدید تفسیری کاوش ”آسان بیان القرآن“ کے نام سے لانا نہیں بھولے۔

اللہ تعالیٰ ان کی تمام علمی، دینی ودرسی خدمات کو قبولیت اور مقبولیت مرحمت فرما کر بہترین صلہ ان کو عطا فرمائے، اور جنت الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے، اور ان کے تمام اخلاف کو صبر جمیل، اجر جزیل عطا فرما کر ان کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

سید محمد شاہد غفرلہ

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

شب ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

فتاویٰ

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

سوال...ایک پلاسٹک کی مصنوعات بنانے والی کمپنی پلاسٹک کی مصنوعات بنانے کے لیے خام مال (جو کہ دانوں کی شکل میں ہوتا ہے) استعمال کرتی ہے، جس کے اجزاء میں جانوروں کی چربی کی بہت معمولی مقدار شامل کی جاتی ہے، جن جانوروں کی چربی ان دانوں کے اجزاء میں شامل ہوتی ہے، ان میں وہ حلال جانور بھی شامل ہیں جن کا ذبیحہ مشکوک ہے، اور حرام جانور بھی شامل ہوتے ہیں، گو کہ وہ چربی مختلف اجزاء میں شامل ہو کر دانوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے، لیکن بہر حال دانوں کے اجزاء میں لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعے چربی کی شناخت ممکن ہوتی ہے۔

اس کو ماہیت کا تبدیل ہونا کہا جائے گا؟

ایسے دانوں سے پلاسٹک کی مصنوعات بنانے کی شرعاً اجازت ہو گی جن میں حرام جانور کی چربی معمولی مقدار میں شامل ہو؟

جواب...جوابات سے پہلے بطور تمہید چند باتیں سمجھنی چاہییں کہ:

تبدیلیٔ ماہیت (کسی چیز کا اپنی حقیقت و ماہیت چھوڑ کر دوسری حقیقت و ماہیت میں بدل جانا) ممکن ہے ناممکن نہیں۔

کوئی بھی حرام اور ناپاک چیز تبدیلی ماہیت کے بعد حلال اور پاک ہو سکتی ہے۔

تبدیلیٔ ماہیت کے لیے وسائل اور ذرائع متعین نہیں، بلکہ کوئی بھی تدبیر تبدیلیٔ ماہیت کا سبب بن سکتی ہے۔

حقیقت و ماہیت کی تبدیلی کے بعد حرام و ناپاک چیز اس وقت حلال و پاک ہو سکتی ہے

جب وہ کسی حلال و پاک چیز میں تبدیل ہوجائے، بصورتِ دیگر اسی طرح حرام و ناپاک رہے گی۔

مندرجہ بالا تمہید کے بعد:

مجموعی طور پر معتمد کتبِ فقہ و فتاویٰ اور اکابرینِ امت کی تحقیقات وتحریرات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نام، صورت، کیفیت اور مواقع استعمال کے ساتھ ساتھ اگر کسی چیز کے جوہری خواص واوصاف (رنگ، بو، مزہ اور شراب میں نشہ آور ہونا) اثرات وعلامات او راامتیازات باقی نہ رہیں، بلکہ نام بھی دوسرا، صورت بھی دوسری، اوصاف وخواص بھی دوسرے اور اثرات وعلامات اور امتیازات بھی دوسرے پیدا ہوجائیں تب جاکر کسی چیز پر تبدیلیٔ ماہیت کا حکم لگایا جاسکتا ہے، البتہ جہاں ان تمام جوہری عناصر کا علم عام لوگوں کو ہوسکتا ہو، وہاں عرفِ عام او رجہاں صرف ماہرین کو علم ہوسکتا ہو، وہاں متعلقہ ماہرین کا قول شرعاً معتبر ہوگا۔

مندرجہ بالا تفصیل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر ماہرین اس کو ماہیت کی تبدیلی قرار دے دیں تو اس سے پلاسٹک کی مصنوعات بنانے کی شرعاً گنجائش ہے اور اس چربی ملے ہوئے دانوں کا استعمال درست ہوگا، بصورتِ دیگر اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔

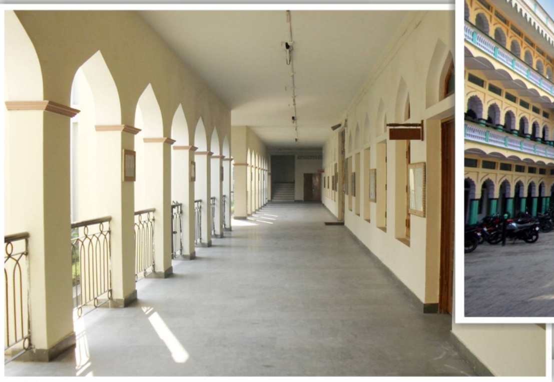
سوال: دکان داروں کا اپنی دکان یا کرایہ کی دوکان کی مقررہ حدود کے علاوہ آگے کی جگہ پر دن بھر اپنا سامان رکھ کر کاروبار کرنا کیسا ہے؟ کیا شرعی طور پر وہ کمائی حلال ہے؟

جواب: اگر اس کی وجہ سے لوگوں کو حرج اور تنگی لاحق نہ ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے اور آمدنی بھی حلال ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ ۵ / ۳۷۰)

سوال : عام طور پر دکان کے سامنے فٹ پاتھ کی جو جگہ ہوتی ہے، دکان دار اس کو کرایہ پر دے دیتے ہیں، کیا مذکورہ جگہ کی خرید فروخت کرنا یا اس کو کرایہ پر دینا درست ہے؟

جواب: یہ جگہ چونکہ حکومت کی ہے لہٰذا اس کو فروخت کرنا، کرایہ پر دینا جائز نہیں، اسی طرح دکان دار کے لیے بھی اس کو کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE
MAZAHIR ULOOM SAHARANPUR







Rs. 15/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com